

عقیدہ

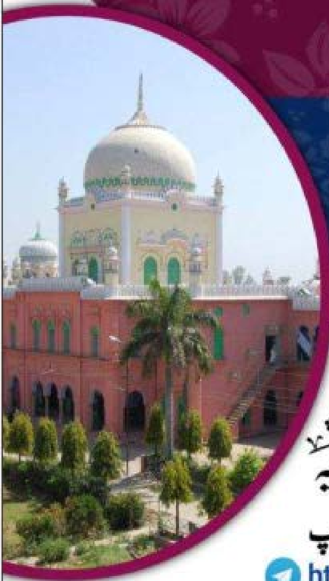
حاضر و ناظر پر تحقیقی کلام

تحقیق و تالیف

ڈاکٹر مفتی محمد امام الدین القاسمی

صدر

دارالافتاء جامعہ باب العلوم جعفر آباد دہلی



ناشر:

المسائل الشرعیہ الحنفیہ

ٹیلی گرام پر فقہی مسائل کا مستند و منفرد گروپ

 https://t.me/Almasailush_Shariyya

عقیدۂ

حاضر وناظر پر تحقیقی کلام

تحقیق وتالیف

ڈاکٹر مفتی محمد امام الدین القاسمی
دارالافتاء جامعہ باب العلوم جعفر آباد دہلی

ناشر
المسائل الشرعیہ الحنفیہ

فہرست

عناوین	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مؤلف

زیرنظر رسالہ دراصل چند سوالوں کے جوابات کی مربوط شکل ہے۔ٹیلیگرام پر فقہی مسائل کے مقبول و مستند گروپ "المسائل الشرعیہ الحنفیہ" میں فتاوی نویسی کی خدمت کے دوران عقیدۂ حاضر و ناظر کے متعلق ایک سوال آیا۔لیکن جواب پر سائل نے کئی اعتراضات پیش کردیے۔سائل کے تمام اعتراضات کو مدنظر رکھتے ہوئے تفصیلی و تشفی بخش جواب لکھنے میں مضمون طویل ہوتا چلا گیا۔مضمون کی طوالت کو دیکھتے ہوئے اسے رسالے کی شکل میں ترتیب دینے کا خیال آیا تاکہ مستقبل میں بھی عقیدۂ حاضر و ناظر کے تعلق سے یہ کارآمد اور مفید ثابت ہو۔ رسالے میں غیر ضروری گفتگو سے مکمل احتراز کیا گیا ہے۔ بنیادی دعوے اور دلیل کو پیش نظر رکھتے ہوئے بے حد مختصر اور جامع انداز میں مسئلے کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ البتہ تمام متعلقہ دلائل کو احاطۂ تحریر میں لانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات، اللہ جل جلالہ کے بعد سب سے اعلی و ارفع اور اکمل و مکمل ذاتِ بابرکت ہے۔ہم آپؐ کی شان میں تنکے برابر بھی گستاخی کو ایمان کی بربادی خیال کرتے ہیں۔لیکن حضورؐ کی شان کو بڑھا کر آپؐ کو درجۂ خلق سے مرتبۂ خالق تک پہنچا دینا بھی قرآن کریم کی صریح خلاف ورزی ہے جس سے ایمان و عقیدے کا سلامت

رہنا محال ہے۔ اللہ جل جلالہ نے قرآن کریم میں ان امتوں کی گمراہی کو کھول کھول کر بیان کیا ہے جنھوں نے اپنے نبی کے لیے صفتِ الوہیت کا عقیدہ گھڑا، اور اپنے نبی کو خالقِ نبی کے برابر کھڑا کر دیا۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اللّٰه۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں: وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات چونکہ کائنات میں سب سے اعلی و ارفع ہے اس لیے مالکِ کون ومکاں نے آپؐ کو ایسی بہت سی خصوصیتیں عطا فرمائی ہیں جو آپؐ کے علاوہ مخلوق میں کسی کو بھی حاصل نہیں۔ نہ ابو الانسان حضرت آدمؑ کو اور نہ فرشتوں کے سردار حضرت جبریلؑ کو۔ ان خصوصیتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ جل جلالہ کے بعد غیب کا سب سے زیادہ علم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپؐ نہ تو عالم الغیب ہیں اور نہ آپؐ حاضر و ناظر ہیں۔ اس لیے کہ عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہونے کی صفت اللہ جل جلالہ کے ساتھ خاص ہے اور اللہ جل جلالہ کی طرح قدیم و لا فانی ہے۔ جبکہ اپنی تمام خصوصیتوں، رفعتوں اور عظمتوں کے باوجود آپؐ بشریت کے ساتھ متصف ہیں اور آپؐ کے تمام اوصاف حادث و فانی ہیں۔

رسالے میں اولا حاضر و ناظر کے مفہوم کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے بعد قرآن کریم کی متعدد آیتوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حاضر و ناظر اپنے اصطلاحی مفہوم میں صرف اللہ جل جلالہ کو ہی سزاوار ہے۔ پھر اس عقیدے کے حاملین کے دعوے کو ان کے اکابرین کی کتابوں سے صاف اور واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اسی ضمن میں ان حضرات کی تضاد بیانیوں اور حاضر و ناظر کے مفہوم میں ان کی پیچیدہ بیانی اور ابہام واغلاق کو بھی آشکارا کیا گیا ہے۔اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ رکھنے پر لازم آنے والے مفاسد کو قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔ساتھ میں تینوں ادوار (آپؐ کی پیدائش سے پہلے، پیدائش کے بعد اور وفات کے بعد) میں آپؐ کے حاضر و ناظر نہ ہونے کو قرآن کریم کی صاف اور واضح آیتوں نیز احادیث صحیحہ کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔

اخیر میں عقیدۂ حاضر و ناظر کے حاملین کے دلائل کا جائزہ لے کر ان کا جواب دیا گیا ہے اور دلائل کی ہی روشنی میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اُن حضرات کی طرف سے پیش کردہ دلائل سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا کسی بھی طرح سے ثابت نہیں ہوتا۔

اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں عاجزی اور تواضع کے ساتھ دستِ سوال دراز کرتے ہوئے دعا اور فریاد ہے کہ اللہ رب العزت اس حقیر سی کاوش کو گم کردۂ راہِ حق کے لیے ہدایت کا ذریعہ اور متلاشیانِ حق کے لیے موصل الی المطلوب بنائیں۔اور راقم کے لیے ذخیرۂ آخرت اور باعثِ سعادت بنائیں۔آمین

طالب دعا: محمد امام الدین القاسمی

خادم دارالافتاء جامعہ باب العلوم جعفرآباد دہلی

۲۹/نومبر ۲۰۱۹ء

Mobile No. +919560787291

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حوصلہ افزا کلمات

جناب حضرت مولانا مفتی احمد نادر القاسمی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

شعبۂ تحقیق وتالیف اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

اسلام میں توحید ورسالت کا عقیدہ ایمان کے لیے بنیادی اور اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ رب ذوالجلال کی ذات وصفات سے تعلق رکھنے والی کسی بھی صفت کو بالفعل یا بالقوہ غیر اللہ کے لیے تسلیم کرنا اسلام کے تصورِ عقیدۂ توحید کے منافی ہے خواہ کسی رسول اور نبی کی ذات میں ہی کیوں نہ اس صفت کو تسلیم کیا جائے۔ یہ بات عقلی اور دینی دونوں حیثیتوں سے ناقابل فہم ہے کہ وہ صفات جو باری تعالی کے لیے خاص ہیں وہ کسی مخلوق میں پائی جائیں، ورنہ پھر خالق ومخلوق میں فرق ہی کیا رہ جائے گا؟

اسلامی عقیدے کی بنیاد پر اللہ تعالی کے بعد سب سے بڑی اور اپنی نبوی و بشری خصوصیات کے اعتبار سے اکمل ومکمل ذات نبیٔ خاتم الرسلین سیدنا ونبینا محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے۔ اور اس عقیدے کے مانے بغیر کوئی شخص مسلمان ہو ہی نہیں سکتا، اور اس کی وضاحت خود زبانِ رسالت نے فرمائی ہے کہ: ”لا یؤمن احد کم حتی أکون أحب إلیه من والدہ وولدہ والناس أجمعین“

(بخاری، کتاب الایمان، باب: حب الرسول من الایمان)

(تم میں کا کوئی شخص ایمان والا ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین اس کی اولاد اور دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں)

دیکھیے اس روایت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی محبوبیت کے معیار کو مخلوق تک ہی محدود رکھا ہے، اس میں یہ نہیں فرمایا کہ "جب تک کہ مجھے اللہ کے برابر محبوب نہ سمجھا جائے۔" تو پھر کسی شخص کو یہ اختیار کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ایسی بات کو نبی ؐ کی ذات کی طرف منسوب کرے جس سے کہ ذات وصفات اور کمالات میں اللہ اور بندہ دونوں یکساں دکھائی دے (نعوذ باللہ من ذلک) اور اللہ تعالی نے خود اپنے نبی کے مقام و مرتبہ کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا: "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى" (سورہ نجم: ۳) (میرے نبی اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے وہ جو بھی کہتے ہیں وہ میری طرف سے بتایا ہوا ہوتا ہے) اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر و ناظر والی صفت بھی حاصل ہوتی تو پھر کسی بات کو کہنے اور بتانے کے لیے اللہ کی وحی کا انتظار نہیں کرنا پڑتا بلکہ جو بھی واقعہ اور جیسی ضرورت ہوتی آپؐ خود ارشاد فرما دیتے۔ اسی طرح وہ حضرات جو اس طرح کا نظریہ رکھتے ہیں ان کی تردید خود یہ آیت قرآنی کرتی ہے۔ "وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَنْ يَّشَاءَ اللهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ إِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰى أَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا وَلَبِثُوْا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِأَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا قُلِ اللهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ أَبْصِرْ بِهٖ وَأَسْمِعْ مَا لَهُمْ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهٖ أَحَدًا" (سورہ کہف: ۲۳۔۲۴)

(اور ہرگز ہرگز کسی کام کے بارے میں یہ نہ کہیں کہ میں اسے کل کر دوں گا مگر اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہہ لیا کریں۔ اور جب کبھی بھولیں تو اپنے پروردگار کو یاد کر لیا کریں اور یہ کہتے رہیں کہ مجھے پوری توقع ہے کہ میرا رب مجھے اس سے بھی زیادہ قریب کی بات کی رہنمائی فرمائے گا۔ وہ لوگ (اصحاب کہف) اپنے غار کے اندر تین سو نو سال ٹھہرے رہے آپ ارشاد فرما دیں کہ اللہ تعالی کو ہی ان کے ٹھہرے رہنے کی مدت کا حقیقی علم ہے، آسمانوں اور زمینوں کے غیب کا علم تو صرف اسی کو حاصل ہے اور اللہ تعالی کیا ہی خوب دیکھنے اور سننے والا ہے اللہ کے سوا کوئی ان کا مددگار نہیں اور نہ ہی اللہ تعالی اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔)

اس موضوع پر جتنے لوگ طبع آزمائی کر رہے ہیں ان میں زیادہ تر کی حقیقت سوائے فکری برتری کی جنگ کے اور کچھ نہیں ہے۔ میں نہ تو تحقیق کا مخالف ہوں اور نہ میں مفید تحقیقات سے راہ فرار کا قائل۔ رسول کریمؐ کی محبت و عظمت خلقِ خدا کے اندر بٹھانے اور پیدا کرنے کی ہر جد و جہد لائق تحسین ہی نہیں بلکہ خدمتِ دین ہے۔ زیر نظر کتاب کا بہت حد تک میں نے موبائل اسکرین پر موجود اوراق کے ذریعہ مطالعہ کیا ہے۔ کتاب و سنت کی روشنی میں اور مسئلۂ مبحث علیہا سے متعلق تمام ضروری دلائل کا احاطہ کرتے ہوئے اس فکر کو بے غبار کرنے کی بہت مفید کوشش کی گئی ہے کہ علم غیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا وصف صرف ذات باری تعالی کا ہے کسی مخلوق کا نہیں ہے خواہ وہ نبی کی ذات ہی کیوں نہ ہو۔

قارئین سے میری بس اتنی گزارش ہے کہ اس کتاب کو مناظرانہ و مجادلانہ نقطۂ

نظر سے نہ پڑھا جائے، بلکہ محض اپنی فکر کی اصلاح، عقیدہ ونظریہ کی درستگی اور صحیح اسلامی عقیدہ ونظریہ تک رسائی حاصل کرنے کی نیت سے مطالعہ کیا جائے اور دین کی صحیح معلومات تک رسائی حاصل کرنا ہی ایک مسلمان کا ہدفِ حقیقی ہے۔ اپنے فکر وخیال کی درستگی میں قطعی ہٹ دھرمی کا راستہ اختیار نہ کیا جائے۔ اس کتاب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں افہام وتفہیم کے اسلوب کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ میں اس تحریر کی اصل کامیابی اسی کو تصور کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی اس مختصر مگر جامع رسالے کو اپنے مقصد اور ہدف کو پانے میں مفید اور نافع بنائے اور اس کے مؤلف، شعبۂ دارالافتا جامعہ باب العلوم جعفرآباد مشرقی دہلی کے صدر اور ٹیلی گرام پر شرعی مسائل کے معتبر ومستند گروپ المسائل الشرعیہ الحنفیہ کے ناظم عزیزی مفتی محمد امام الدین القاسمی حفظہ اللہ اور ان کے والدین، اساتذہ اور معاونین کی طرف سے بطور صدقۂ جاریہ قبول فرمائے۔ ربنا إننا سمعنا منادیا ینادی للایمان أن آمنوا بربکم فآمنا ربنا فاغفرلنا ذنوبنا وکفر عنا سیئآتنا فقنا عذاب النار. آمین یارب العالمین

طالب دعا: خاکسار احمد نادر القاسمی

جوگابائی دہلی

۲۸ نومبر ۲۰۱۹ء

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

عقیدۂ حاضر و ناظر پر تحقیقی کلام

حاضر و ناظر کا مفہوم

دعوی:

لغتاً اور اصطلاحاً اردو زبان میں حاضر و ناظر اس ذات کو کہتے ہیں جو کائنات کے ذرے ذرے کو کفِ دست کی طرح دیکھتی ہو اور جس کا علم ابتداء و انتہا کے بغیر تمام کائنات پر محیط ہو۔

دلیل:

لغتاً عربی زبان سے مشتق اسم حاضر کے بعد واؤ بطور حرفِ عطف لگا کر عربی ہی سے مشتق اسم ناظر لگانے سے مرکب بنا۔ اردو میں بطور صفت استعمال ہوتا ہے اور تحریراً سب سے پہلے ۱۵۰۰ء کو معراج العاشقین (نامی کتاب) میں مستعمل ملتا ہے۔ صفت ذاتی (واحد) جمع: حاضرین و ناظرین۔ جو ہر جگہ موجود ہو ہر جگہ نظر رکھتا ہو، موجود و نگراں

(خدا کے لیے بطور صفت مستعمل)

مثال: چھوٹی عمر میں نصیحت اور تعلیم کا گہرا اثر دل پر ہوتا ہے۔ مثلاً خدا کو حاضر و ناظر جاننا۔ (حیات محسن، ص ۱۰۵۔ ۱۹۳۴ء) (آن لائن اردو لغت) (اردو لغت، کراچی، حکومت پاکستان)

حاضر و ناظر: عربی، فارسی، صفت۔ موجود اور دیکھنے والا، خدا کی صفت

(فیروز اللغت اردو)

حاضر و ناظر: موجود اور دیکھنے والا، خدائے تعالیٰ

(نئی اردو لغت، نجیب رام پوری)

حاضر و ناظر: موجود اور دیکھنے والا (فرہنگ عامرہ)

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"یہ دونوں عربی زبان کے لفظ ہیں جن کے معنی ہیں "موجود اور دیکھنے والا" اور جب ان دونوں کو ملا کر استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد ہوتی ہے "وہ شخصیت جس کا وجود کسی خاص جگہ میں نہیں بلکہ اس کا وجود بیک وقت ساری کائنات کو محیط ہے اور کائنات کی ایک ایک چیز کے تمام حالات اول سے آخر تک اس کی نظر میں ہیں۔"

(اختلاف امت اور صراط مستقیم: ص، ۳۷۔ ۳۸)

دعویٰ:

تمام کائنات کے ذرے ذرے کو کفِ دست کی طرح دیکھنا اور اپنے علم سے ابتداء و انتہا کے بغیر تمام کائنات پر محیط ہونا یہ اللہ جل جلالہ کی خاص صفت ہے۔

دلیل:

قرآن کریم کی بہت سی آیتیں ہیں۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلىٰ غَيْبِهٖ أَحَداً

عَالِمُ الغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ

أَلَمْ يَعْلَمُوْا أَنَّ اللهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا ....

إِنَّ اللهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ إِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ

عَالِمُ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِيْنٍ

أَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ إِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ

أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللهَ يَرىٰ - أَلَا إِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ

وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَداً

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ وغیرہ

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنیہ میں اللہ جل جلالہ کی جن خصوصی صفات کا ذکر ہے ان میں سے حاضر و ناظر ہونا بھی ہے۔حاضر و ناظر کا لفظ گرچہ قرآن وحدیث میں اللہ جل جلالہ کے لیے استعمال نہیں ہوا ہے۔لیکن مقامی زبان میں یا غیر عربی میں ایسے لفظ کا اللہ جل جلالہ کے لیے استعمال جائز ہے جس سے اللہ جل جلالہ کی خاص صفت کا اظہار ہو رہا ہو یا وہ لفظ اللہ جل جلالہ کی ذات پر دلالت کرتا ہو۔ جیسے لفظ "خدا" اللہ جل جلالہ کے لیے قرآن و حدیث میں کہیں بھی استعمال نہیں ہوا ہے۔لیکن چونکہ لفظ "خدا" اللہ جل جلالہ کی ذات یا صفت (جو از خود موجود ہو) پر دلالت کرتا ہے اس لیے امت کا اجماع ہے کہ اس لفظ کا استعمال اللہ جل جلالہ کے لیے جائز اور درست ہے۔ اور پھر جس لفظ سے اللہ جل جلالہ کی خاص صفت کا اظہار ہو رہا ہو اس لفظ کا استعمال غیر اللہ کے لیے جائز نہیں ہوتا۔ جیسے لفظ خدا کا استعمال غیر اللہ کے لیے جائز نہیں ہے۔لہذا لفظ حاضر و ناظر کا استعمال اللہ جل جلالہ کے لیے جائز اور درست ہے اور اس لفظ سے چونکہ اللہ جل جلالہ کی خاص صفت (کائنات کے ذرے ذرے کو کفِ دست کی طرح دیکھنے اور ساری کائنات پر محیط بالعلم ہونے) کا اظہار ہوتا ہے اس لیے اس لفظ کا استعمال غیر اللہ (نبیؐ) کے لیے جائز نہیں ہے۔

دعوی:

اللہ جل جلالہ کی ذات یا صفات میں سے کسی بھی صفت میں کسی بھی مخلوق کو جزئی یا کلی طور پر شریک کرنا یا شریک ماننا شرک ہے۔

دلیل:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ
وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَ لَمْ
يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا

شرک کی تعریف واقسام

اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں کسی دوسرے کو (چاہے وہ انسان ہو یا فرشتہ) شریک کرنا یا اس کے برابر کسی کو سمجھنا یا کسی کی ایسی تعظیم یا فرماں برداری کرنا جیسی کہ اللہ تعالیٰ کی کی جاتی ہے شرک کہلاتا ہے۔ بعض شرک سخت حرام ہیں اور بعض شرک کفر میں داخل ہیں۔ شرک کی چند اقسام یہ ہیں۔

اول: شرک فی الذات یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک کرنا، مثلاً دو یا دو سے زیادہ خدا ماننا۔

دوم: شرک فی الصفات یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا۔ اس کی بہت سی قسمیں ہیں جن میں سے چند مشہور یہ ہیں۔

۱. شرک فی العلم: یعنی کسی دوسرے کے لیے اللہ تعالیٰ کی مانند علم کی صفت ثابت کرنا یا ایسا عقیدہ رکھنا۔

۲. شرک فی القدرة: یعنی اللہ تعالیٰ کی مانند نفع ونقصان دینے کو یا کسی کی موت وزندگی یا کسی اور کام کی قدرت کسی اور کے لیے ثابت کرنا۔ مثلاً کسی پیغمبر یا ولی یا

شہید کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ پانی برسا سکتے ہیں۔ وغیرہ

۳. شرک فی السمع: یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نزدیک و دور، خفی و جہر اور دل کی ہر بات سنتے ہیں، کسی نبی یا ولی وغیرہ کو بھی ایسا سننے والا سمجھنا۔

۴. شرک فی البصر: یعنی کسی مخلوق، نبی، ولی یا شہید وغیرہ کے متعلق یوں سمجھنا کہ وہ چُھپی کھلی اور دور و نزدیک کی ہر چیز کو اللہ جل جلالہ کی مانند دیکھتے ہیں اور ہمارے کاموں کو ہر جگہ دیکھتے ہیں۔

۵. شرک فی الحکم: یعنی اللہ تعالیٰ کی طرح کسی اور کو حاکم سمجھنا اور اس کے حکم کو اللہ تعالی کے حکم کی مانند ماننا۔

۶. شرک فی العبادۃ: یعنی اللہ تعالیٰ کی طرح کسی اور کو عبادت کا مستحق سمجھنا یا کسی مخلوق کے لیے عبادت کی قسم کا کوئی فعل کرنا مثلاً کسی پیر کو یا اس کی قبر کو سجدہ کرنا یا کسی پیر یا نبی یا ولی کے نام کا روزہ رکھنا یا غیر اللہ کی نذر ماننا یا کسی جگہ مکان گھر یا قبر کا خانۂ کعبہ کی طرح طواف کرنا۔

ان کے علاوہ اور جس قدر اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں خواہ وہ صفات فعالیہ ہوں جیسے رزق دینا، مارنا، زندہ کرنا، عزت دینا وغیرہ یا شئونِ ذاتیہ یا صفات ثبوتیہ یا صفات سلبیہ ہوں ان میں کسی مخلوق کو اللہ تعالی کے برابر سمجھنا شرک ہے۔ (ماخوذ)

حاضر و ناظر کا من گھڑت مفہوم

"حاضر و ناظر" کا وہ مفہوم جو بعض بریلوی حضرات بتاتے ہیں کہ ایک ہی جگہ

ہوتے ہوئے تمام کائنات کو کفِ دست کی طرح دیکھنا؛ یہ خلافِ اصل ہے جس کی کوئی معقول اور قابل قبول دلیل نہیں ہے اور چند بریلویوں کے علاوہ دیگر بریلوی حضرات یہ مفہوم بیان بھی نہیں کرتے۔ یہ مسلمہ اصول ہے کہ کسی بھی زبان کے الفاظ کے معانی اس زبان کے ماہرین اور اہلِ زبان ولغت طے کرتے ہیں۔ اور حاضرو ناظر کے لغوی یا اصطلاحی معنی میں "ایک ہی جگہ" کی قید کا ثبوت لغت کی کسی بھی معتبر کتاب میں نہیں ملتا۔ نہ ہی چند بریلویوں کے علاوہ کسی اور مکتب فکر کے علما نے حاضرو ناظر کی تعریف میں "ایک ہی جگہ" کی قید کا اضافہ کیا ہے۔ اور اس بے اصل قید کی وجہ سے بعض بریلوی حضرات حاضرو ناظر کے استعمال کو اللہ جل جلالہ کے لیے ناجائز کہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ جل جلالہ ایک جگہ نہیں ہیں جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جگہ یعنی مدینہ شریف میں موجود ہیں۔ اور اسی بات کو بنیاد بنا کر بریلوی حضرات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضرو ناظر کہتے ہیں۔ لیکن حاضرو ناظر کے مفہوم میں صرف "ایک ہی جگہ" کی بے اصل قید بڑھا دینے سے بات نہیں بنتی۔ کیونکہ حاضرو ناظر کے مفہوم میں تمام کائنات کو کفِ دست کی طرح دیکھنا اور سننا بھی شامل ہے (جسے بریلوی حضرات بھی تسلیم کرتے ہیں)۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایسی صفت یعنی تمام کائنات کو کفِ دست کی طرح دیکھنے اور سننے کا ثبوت باطل ہے۔

بریلوی حضرات کی تضاد بیانیاں

ایک طرف تو بریلوی حضرات حاضرو ناظر کے مسئلے میں یہ موقف رکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی جگہ مدینہ شریف میں موجود رہتے ہوئے تمام کائنات کو، امت کے

افعال و اعمال کو دیکھ اور سن رہے ہیں۔ دوسری طرف ان کا یہ موقف بھی ہے کہ حضور ﷺ آنِ واحد میں تمام کائنات کی سیر بھی کرتے ہیں، سیکڑوں میل دور حاجت مندوں کی حاجت روائی بھی کرتے ہیں۔ اور آنِ واحد میں ایک جگہ سے دوسری جگہ کی سیر روحانی بھی ہوتی ہے جسم مثالی کے ساتھ بھی اور مدینہ شریف میں مدفون جسمِ خاکی کے ساتھ بھی۔

(جاء الحق، حاضر و ناظر کی بحث؛ ص ۱۱۶۔ مفہوم)

جبکہ دوسرے بعض بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ حضور ﷺ جسم اطہر حقیقی موجود فی المدینہ کے ساتھ دوسری جگہ نہیں جاتے بلکہ جسم مثالی یا روحانی ولطیف جسم کے ساتھ کائنات کے ہر ذرے میں موجود ہیں۔

یہ تضاد بیانی نہیں تو اور کیا ہے کہ ایک ذات کو ایک ہی جگہ موجود بھی ماننا ہے (تا کہ اللہ جل جلالہ کے لیے حاضر و ناظر کی نفی ہو سکے) اور اسی ذات کو آن واحد میں تمام عالم کی سیر کرنے والا بھی ماننا ہے۔ پھر بھلا حاضر و ناظر کی تعریف میں "ایک ہی جگہ" کی قید لگانے کا کیا مطلب ہوا؟

جسم مثالی و جسم حقیقی کی وضاحت

حاضر و ناظر کے مسئلے پر مولانا سید احمد سعید کاظمی ملتانی کی کتاب تسکین الخواطر فی مسئلۃ الحاضر والناظر میں پیش کردہ مولانا کے موقف کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے ایک مضمون نگار لکھتے ہیں:

"جسم مثالی کی توضیح ایک اور اشکال (سوال) کو حل کر دیتی ہے۔ وہ اشکال یہ ہے کہ کئی واقعات ملتے ہیں جن میں حالتِ بیداری میں لوگوں نے کسی بزرگ، شہید وغیرہ کی زیارت کی۔ روح تو اس عالم میں آ نہیں سکتی کہ اس کا مقام عالم برزخ ہے تو سوال یہ پیدا ہوا کہ پھر زیارت کرنے والے نے کس کو دیکھا؟ اہل علم نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ زیارت جسم مثالی کی ہوتی ہے نہ کہ جسم حقیقی کی اور نہ ہی روح کی۔ جسم مثالی میں تعدد (ایک سے زیادہ ہونے) کا امکان بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کی مثال ٹیلی ویژن کی ہے جس میں ایک شخص اسٹوڈیو میں بیٹھا ہوتا ہے اور اس کی شبیہ پورے عالم میں نظر آ رہی ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔"

ایک بریلوی صوفی بزرگ اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

"حضور ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے میں اہل سنت و جماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضورؐ کے لیے جو لفظ حاضر و ناظر بولا جاتا ہے اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ حضورؐ کی بشریت مطہرہ ہر جگہ ہر ایک کے سامنے موجود ہے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح روح اپنے بدن کے ہر جزو میں ہوتی ہے۔ اسی طرح روحِ دو عالم ﷺ کی حقیقتِ منورہ ذراتِ عالم کے ہر ذرہ میں جاری و ساری ہے جس کی بناء پر حضور ﷺ اپنی روحانیت اور نورانیت کے ساتھ بیک وقت متعدد مقامات پر تشریف فرما ہوتے ہیں اور اہل اللہ اکثر و بیشتر بحالت بیداری اپنی جسمانی آنکھوں سے حضور ﷺ کے جمالِ مبارک کا مشاہدہ کرتے ہیں اور حضور ﷺ بھی انہیں رحمت اور نظر عنایت سے سرخرو و محظوظ فرماتے ہیں۔ گویا حضور ﷺ کا اپنے غلاموں کے سامنے ہونا سرکار ﷺ کے حاضر ہونے

کے معنی ہیں اور انہیں اپنی نظر مبارک سے دیکھنا حضور ﷺ کے ناظر ہونے کا مفہوم ہے۔ معلوم ہوا کہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ اپنے روضۂ مبارک میں حیات حسی و جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں اور پوری کائنات آپ ﷺ کے سامنے موجود ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا سے کائنات کے ذرے ذرے پر آپ ﷺ کی نگاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا سے جب چاہیں، جہاں چاہیں، جس وقت چاہیں، جسم و جسمانیت کے ساتھ تشریف لے جا سکتے ہیں۔" (صاحب مضمون نے مولانا سید احمد سعید کاظمی کی کتاب تسکین الخواطر کی بعض عبارتوں کو جوں کی توں نقل کرنے کی کوشش کی ہے)

مذکورہ بالا تحریر کو بصارت و بصیرت کے ساتھ پڑھنے پر بریلوی عقیدے کی تضاد بیانی تو واضح ہوتی ہی ہے ساتھ میں حلول کا کفریہ عقیدہ بھی جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ خصوصاً اس عبارت میں غور فرمائیں (روحِ دو عالم ﷺ کی حقیقتِ منورہ ذراتِ عالم کے ہر ذرہ میں جاری و ساری ہے) یہ اسی عقیدے سے ملتا جلتا عقیدہ ہے جو یہودی، حضرت عزیر علیہ السلام کے متعلق رکھتے ہیں۔ اور نصاری، حضرت عیسی علیہ السلام کے متعلق رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیؑ خدا کا جز ہیں اور کائنات کے ہر ذرے میں موجود ہیں۔ روح القدس بھی خدا ہیں۔ مریم بھی خدا ہیں۔

اپنی تضاد بیانیوں میں آگے بڑھتے ہوئے مذکورہ بالا صوفی بزرگ اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

"اب فرق واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ مکان، جسم، ظاہری طور پر نظر آنے، حواس سے مدرک ہونے کے بغیر ہر جگہ موجود ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ اس معنی کے لحاظ

سے وہ حاضر ہے اور اپنے بندوں پر رحمت و مہربانی کرنے کے لحاظ سے وہ ناظر ہے۔ نبی کریم ﷺ اپنے مزار شریف میں اپنی جسمانیت کے ساتھ موجود ہیں۔ آپ کی امت اور ان کے اعمال و احوال آپ کے سامنے ہیں۔ آپ اپنے حواس سے امت کے اعمال و احوال کا ادراک فرما رہے ہیں۔" (ماخوذ از مضمون سابق)

مذکورہ مضمون میں صاحبِ مضمون اللہ جل جلالہ کے ہر جگہ موجود ہونے کا اقرار کر رہے ہیں۔ جبکہ دیگر بعض بریلوی اللہ جل جلالہ کے ہر جگہ موجود ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں: خدا کو ہر جگہ ماننا بے دینی ہے۔ ہر جگہ میں ہونا تو رسولِ خدا ﷺ ہی کی شان ہو سکتی ہے۔ (جاء الحق، ص: ۱۶۲)

جبکہ ایک اور بریلوی عالم اللہ جل جلالہ کو بھی حاضر و ناظر مانتے ہیں اور حضور ﷺ کو بھی حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ لیکن اللہ جل جلالہ کے حاضر و ناظر ہونے اور حضور ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے میں فرق کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"اسی طرح بریلوی مسلک کے حامل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمہ جہت شاہد و ناظر ہونے پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں عالم غیب کو دیکھ کر اطلاع دی اور اسی طرح بعد از وصال بھی آپ علیہ الصلوۃ والسلام تمام احوال سے باعلم ہیں۔ اس سلسلے میں مختلف آیات قرآنی و احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے جیسا کہ (یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا۔ اے نبی ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاہد بنا کر بھیجا)۔ رسول اکرمؐ کے حاضر و ناظر ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنی قبر انور میں جسم کے ساتھ باحیات ہیں اور اللہ جل جلالہ کی عطا کردہ قوت سے دور و نزدیک

کی آوازوں کو سنتے ہیں اور اپنی امت کے اعمال واحوال کا مشاہدہ فرماتے ہیں یا یہ کہ روحانی طور پر یا جسم مثالی کے ساتھ آن واحد میں سینکڑوں کلومیٹر کی دوری سے مدد کے لیے پہنچنے پر قادر ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر نہیں۔اللہ اپنے علم ازلی اور قدرت کے اعتبار سے ازل سے از خود حاضر ہے اور اللہ کے رسول ﷺ اللہ کے عطا کردہ علم و مشاہدہ کے ساتھ حاضر و ناظر ہیں۔"

(عقائد اہلسنت از رضاء الحق اشرفی مصباحی،ص:۳۱۷ پہلا ایڈیشن طبع ۲۰۱۱)

مذکورہ بالا عبارت میں رضاء الحق صاحب نے حضور ﷺ کو اپنی زندگی میں بھی حاضر و ناظر مانا ہے اور بعد از وصال تو سبھی بریلوی مانتے ہیں۔اس کے بطلان پر ہم آگے دلیل پیش کریں گے۔ایک اور بریلوی عالم حضور ﷺ کو ہر وقت اور ہر لمحہ حاضر و ناظر مانتے ہیں۔اس میں گندی و صاف جگہ، برائی اور اچھائی کی محفل اور قبل از وصال یا بعد از وصال وغیرہ کی کوئی قید نہیں۔جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ ازل سے ابد تک حاضر و ناظر ہیں۔اس عقیدے پر وارد ہونے والے اعتراضات کو ہم بعد میں پیش کریں گے پہلے مولانا موصوف کی تحریر ملاحظہ فرمائیں۔مولانا سید احمد سعید کاظمی ملتانی لکھتے ہیں:

"کوئی مقام اور کوئی وقت حضور ﷺ سے خالی نہیں۔"

(تسکین الخواطر،ص:۸۵)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"سید عالم ﷺ کی قوت قدسیہ اور نور نبوت سے یہ امر بعید نہیں کہ آنِ واحد

میں مشرق ومغرب، جنوب وشمال، تحت وفوق، تمام جہاں وامکنہ بعیدہ متعددہ میں سرکار اپنے وجود مقدس بعینہٖ یا جسم اقدس مثالی کے ساتھ تشریف فرما کر اپنے مقربین کو اپنے جمال کی زیارت اورنگاہ کرم کی رحمت وبرکت سے سرفراز فرمائیں۔"

(حوالہ سابقہ، ص:۱۸)

جبکہ بعض دیگر بریلوی علماء گندے اور برے مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حاضری کی نفی کرتے ہیں۔ لیکن شیطان کو ہر جگہ حاضر وناظر مانتے ہیں۔ مولانا عبدالسمیع رام پوری عقیدۂ حاضر وناظر کے ثبوت میں لکھتے ہیں:

"چاند سورج ہر جگہ موجود ہے اور ہر جگہ زمین پر شیطان موجود ہے اور ملک الموت ہر جگہ موجود ہے تو یہ صفت (یعنی ہر جگہ ہونا) خدا کی کہاں ہوئی اور تماشا یہ کہ اصحابِ محفلِ میلاد (بریلوی حضرات) تو زمین کی ہر جگہ پاک وناپاک، مجالس مذہبی وغیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نہیں دعویٰ کرتے۔ ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات، پاک وناپاک، کفر وغیر کفر میں پایا جاتا ہے۔"

(انوار ساطعہ، ص:۵۲۔۵۳)

مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں:

"ابلیس کی نظر تمام جہاں پر ہے کہ وہ بیک وقت سب کو دیکھتا ہے اور تمام مسلمانوں کے ارادوں بلکہ دل کے خطرات سے بھی خبردار ہے کہ نیک ارادے سے باز رکھتا ہے اور برے ارادے کی حمایت کرتا ہے۔"

(تفسیر نعیمی، ج ۳، ص: ۱۱۴)

ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں: ”شیطان ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔“

(نور العرفان، ص: ۱۸۴۔از: مفتی احمد یار خان نعیمی)

یعنی بریلویوں کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا ملک الموت اور ابلیس کے حاضر و ناظر ہونے سے بھی کم درجے کا ہے۔ جبکہ اللہ جل جلالہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے بڑھ کر کوئی بھی ذات اعلیٰ نہیں ہے نہ صفات میں نہ کمال میں۔ اگر حاضر و ناظر ہونا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال ہے تو یہ کمال آپ کی ذات میں تمام مخلوق سے اعلی درجے کا ہونا چاہیے نہ کہ شیطان سے بھی ادنی درجے کا۔ یہ بریلوی حضرات کی گستاخی ہے کہ وہ ایک صفت کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ثابت بھی مانتے ہیں۔ اور اُسی صفت میں شیطان کو حضورؐ سے اعلی بھی مانتے ہیں جبکہ ان ہی لوگوں کا فتوی ہے کہ:

”کسی نبی کے معجزات اور کمالات میں کسی غیر نبی کو نبی سے بڑھ چڑھ کر ماننا توہین نبوت ہے۔“

(الحق المبین، ص: ۷۰، از مولانا سید احمد سعید کاظمی)

بریلویوں کے حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب تو حاضر و ناظر والی صفت کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ امت کے دیگر بزرگان دین کے لیے بھی ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

”عالم میں حاضر و ناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ قوتِ قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھے اور دور و قریب کی آوازیں سنے یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے اور صدہا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرے۔ یہ رفتار

خواہ صرف روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ ہو یا اسی جسم سے ہو جو قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہے۔ ان سب معنی کا ثبوت بزرگان دین کے لیے قرآن وحدیث واقوالِ علماء سے ہے۔" (جاء الحق، مقدمہ حاضر و ناظر کی بحث)

مفتی احمد یار خان کی اس تحریر کے مطابق پھر تو عام انسان بھی حاضر و ناظر ہوگیا، تو یہ صفت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت کہاں رہی؟ اور حاضر و ناظر ہونے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا کمال رہا؟

سوال یہ ہے کہ بعض جگہ ہونا بعض جگہ نہ ہونا، صرف روح کا حاضر و ناظر ہونا یا روح مع جسم مثالی کا حاضر و ناظر ہونا یا روح مع جسم حقیقی کا حاضر و ناظر ہونا؛ ان سب تفصیلات و قیودات اور مستثنیات کی دلیل کیا ہے؟ کیا بریلوی حضرات خود اس عقیدۂ حاضر و ناظر کو سمجھ سکے ہیں؟ یا بس یوں ہی جس کے مفتور عقل میں جو کچھ آ رہا ہے وہ لکھے اور بولے جا رہا ہے؟ کوئی کہتا ہے اللہ جل جلالہ حاضر و ناظر نہیں ہیں۔ کوئی کہتا ہے اللہ کا حاضر و ناظر ہونا الگ ہے حضور کا حاضر و ناظر ہونا الگ ہے۔ کوئی کہتا ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی لکھتے ہیں:

"نمازی جس طرح اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جانے اسی طرح محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی۔" (تفسیر نعیمی ج ۱، ص: ۵۸ سورۃ فاتحہ آیت نمبر ۴)

"جس طرح انسان حق سبحانہ وتعالیٰ کو ہر حالت میں ظاہری و باطنی طور پر واقف جانتا اور مانتا ہے اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ظاہری و باطنی طور پر حاضر و ناظر مانے۔" (حق پر کون ص: ۷۰، از۔ ظفر عطاری)

جبکہ بریلویوں کے ایک مایہ ناز علامہ یوں لکھتے ہیں:

"پس جو شخص حضور ﷺ کے علم کو اللہ تعالی جیسا علم مانے اور اللہ جل جلالہ ہی کی طرح حاضر و ناظر جانے پس اہل سنت کے نزدیک کافر ہے۔"

(انوار احناف ص: ۲۰۰۔ از ابو کلیم محمد صدیق فانی)

حضور ﷺ کو حاضر و ناظر ماننے کے عقیدے کو بریلویوں نے عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کی طرح چوں چوں کا مربہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ نہ اگلتے بنتا ہے نہ نگلتے بنتا ہے۔ نہ سمجھتے بنتا ہے نہ سمجھاتے بنتا ہے۔ عیسائیوں نے وحدانیت میں تثلیث داخل کر کے ایک ایسے عقیدے کو دنیا کے سامنے پیش کیا جس کا عقل میں آنا ممکن ہی نہیں۔ اسی طرح بریلویوں نے حضور ﷺ کی ذات کے لیے خدائی صفات کو ثابت مان کر آپؐ کو الوہیت کے درجے تک پہنچا دیا ہے۔ جبکہ نفس الامر میں آپؐ کی ذات بشر ہے۔ (قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ) لہذا خدائی صفت اور بشری ذات کے بیچ پھنس کر بریلوی حضرات حضور ﷺ کو کبھی نور کہتے ہیں تو کبھی عالم الغیب۔ کبھی مختار کل تو کبھی حاضر و ناظر۔ جبکہ حضورؐ نہ تو عالم الغیب ہیں اور نہ ہی نور ہیں۔ نہ مختار کل ہیں نہ ہی حاضر و ناظر ہیں۔

دسیوں تضاد بیانیوں کے باوجود بریلوی حضرات حضور ﷺ کو حاضر و ناظر یقین کرتے ہیں۔ اور اسے کفر و ایمان کا عقیدہ گردانتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ عقیدہ اس قدر گنجلک، مبہم اور محتاجِ توضیح کیسے ہو گیا کہ ہر کوئی اس کے متعلق الگ الگ راگ الاپ رہا ہے؟ جبکہ اللہ جل جلالہ کو حاضر و ناظر جاننے میں نہ کوئی ابہام ہے نہ یہ توضیح و تشریح کا محتاج ہے۔ ایک عامی بھی اگر اللہ جل جلالہ کو حاظر و ناظر مانتا ہے تو اسے یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں

ہوتی کہ اس کا اللہ اس کے پاس اس کی ذات سے بھی زیادہ قریب موجود ہے اور اس کی نقل وحرکت کو دیکھ رہا ہے، اس کی باتوں کو سن رہا ہے۔ اس کے برخلاف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر وناظر جاننے والا بریلوی جب گناہ کرتا ہے تو نہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس موجود خیال کرتا ہے نہ ہی اسے یہ خوف ہوتا ہے کہ حضور اسے دیکھ رہے ہیں۔ بلکہ بعض بریلوی تو یہ کہتے ہیں کہ حضورؐ برائی کی محفل میں حاضر ہوتے ہی نہیں۔ (مولوی عبدالسمیع صاحب کی عبارت ماقبل میں گزر چکی) اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض وقت حاضر ہیں بعض وقت حاضر نہیں ہیں، بعض جگہ حاضر ہیں بعض جگہ حاضر نہیں ہیں۔ بریلویوں کے پاس اس استثناء کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور اگر ہے تو پیش کریں۔

الغرض عقیدۂ حاضر وناظر کی پیچیدگی کا یہ حال ہے کہ بار بار اس کی تشریح وتوضیح کی ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ مولانا سید احمد سعید کاظمی کی کتاب تسکین الخواطر میں پیش کردہ موقف کی وضاحت کرتے ہوئے ایک صاحب لکھتے ہیں:

"حاصل کلام یہ ہے کہ حاضر وناظر کا یہ قطعی مطلب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت، ہر جگہ، ہر مجلس، ہر محفل میں بنفس نفیس موجود ہوتے ہیں۔ یہ دراصل اہل اللہ کا حالت بیداری میں رسول اللہ کی زیارت کا نام ہے۔ یہ زیارت بھی جسم اقدس کی نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مثالی کی ہوتی ہے۔ یہ زیارت بھی ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ خاص الخاص اہل اللہ کا مقام ہے۔ نہ ہی یہ زیارت ان اہل اللہ کا کوئی اختیاری فعل ہے بلکہ یہ محض اللہ رب العزت کا ان کے ساتھ خصوصی معاملہ ہے۔ ہر جگہ ہر وقت موجود ہونا تو اللہ رب العزت کے ساتھ خاص ہے۔ کسی مخلوق کو ہر جگہ ہر وقت موجود سمجھنا شرک ہے اس

لیے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف اپنی ذات میں بھی وحدہ لاشریک ہے بلکہ اس کی صفات میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ توحید کا یہی پہلو ہے جس میں انسان خطا کر جاتا ہے۔ اللہ کو اپنی ذات میں یکتا تو پکے مشرک بھی مانتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔"

یہ گویا تسکین الخواطر کتاب کا نچوڑ ہے جو صاحبِ مضمون نے پیش کر دیا ہے۔ جبکہ بہت سے بریلویوں کو اس سے اتفاق نہیں ہوگا۔

بریلوی حضرات کے عقیدۂ حاضر و ناظر کی مکمل وضاحت کے بعد اب اس پر وارد ہونے والے اعتراضات / سوالات (جن کے جوابات بریلویوں کے ذمے واجب ہیں) کی طرف چلتے ہیں۔

عقیدۂ حاضر و ناظر پر وارد ہونے والے اعتراضات اور حضورؐ کے حاضر و ناظر نہ ہونے کے دلائل

۱. حضورؐ اپنی پیدائش سے پہلے حاضر و ناظر نہیں تھے۔

قرآن مجید کی درج ذیل آیتوں سے اس کا ثبوت ملتا ہے:

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ وَاِنۡ كُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِيۡنَ۝

اس آیت کریمہ میں اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں کہ ایک نہیں بلکہ کئی سارے اچھے اچھے قصے ہم آپ کو سنائیں گے جن کے بارے میں ہمارے سنانے سے پہلے آپ بے خبر تھے۔

وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۝

اس آیت میں اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں آپ اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ لوگ اپنے اپنے قلم پانی میں ڈال رہے تھے۔ دوبارہ فرماتے ہیں کہ آپ وہاں موجود نہیں تھے جب وہ لوگ جھگڑ رہے تھے۔

تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ مِن قَبْلِ هَٰذَا

یہ (نوحؑ کا قصہ) غیب کی خبروں میں سے ہے جس کو ہم وحی کے ذریعہ سے آپ کے پاس پہنچاتے ہیں پہلے سے نہ آپ اس کو جانتے تھے نہ آپ کی قوم جانتی تھی۔

ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ۝

یہ (یوسفؑ کا قصہ) غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم آپ کو وحی کے ذریعہ سے بتلاتے ہیں۔ اور آپ ان (برادرانِ یوسف) کے پاس اس وقت موجود نہ تھے جب کہ انھوں نے (یوسفؑ کو کنویں میں ڈالنے کا) پختہ فیصلہ کرلیا اور جب کہ وہ خفیہ تدبیروں میں لگے ہوئے تھے۔

وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝

بریلوی حضرات إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر وناظر

ثابت کرتے ہیں۔ جبکہ اس آیت کریمہ میں اللہ جل جلالہ صاف ارشاد فرما رہے ہیں کہ آپ کوہِ طور کی مغربی جانب حاضر نہیں تھے۔ یعنی جس وقت ہم نے موسیٰؑ کی طرف حکم بھیجا تب آپ وہاں موجود نہیں تھے۔

وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ نَادَيْنَا وَلَٰكِن رَّحْمَةً مِّن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْماً مَّا أَتَاهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ○

اس آیت کریمہ میں بھی اللہ جل جلالہ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ اس وقت کوہ طور پے موجود نہیں تھے جب ہم نے موسیٰؑ کو آواز دی لیکن یہ آپ کے رب کی رحمت ہے (کہ آپ کا رب آپ کو یہ واقعات بتاتا ہے) تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جس قوم کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، امید ہے کہ وہ لوگ نصیحت حاصل کرلیں۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی پیدائش سے پہلے بھی حاضر و ناظر ہوتے، قریب و بعید کی چیزوں کو دیکھ اور سن رہے ہوتے تو اللہ جل جلالہ یہ نہ فرماتے کہ آپ مریمؑ کی کفالت کے جھگڑے کے وقت موجود نہ تھے۔ نیز ہم آپ کو ایسے قصے سنائیں گے (چاہے وہ نوحؑ کا قصہ ہو، یوسفؑ کا قصہ ہو، موسیٰؑ کا قصہ ہو یا کسی اور پیغمبر کا قصہ ہو) جن کے بارے میں آپ نہیں جانتے۔ مذکورہ بالا تمام آیتوں میں حضورؐ کی طرف عدم حضور اور عدم علم کی نسبت کی گئی ہے۔ بھلا جو ذات حاضر و ناظر ہو وہ غیر حاضر اور غیر عالم کیسے ہوسکتی ہے؟

۲. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی پیدائش کے بعد بھی حاضر و ناظر نہیں تھے۔

قرآن کہتا ہے:

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ

اللّٰهُ عَلَيۡهِ عَرَّفَ بَعۡضَهٗ وَأَعۡرَضَ عَنۡ بَعۡضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهٖ قَالَتۡ مَنۡ أَنۡبَأَكَ هٰذَا ۖ قَالَ نَبَّأَنِيَ الۡعَلِيۡمُ الۡخَبِيۡرُ ۝

اس آیت کریمہ میں جس واقعہ کا ذکر ہے اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔سوال یہ ہے کہ جب حضرت حفصہؓ نے آپؐ کی بات حضرت عائشہؓ تک پہنچادی تو اگر آپؐ حاضر و ناظر ہوتے تو آپ خود ہی اس بات سے باخبر ہوجاتے۔اللہ تعالی کو آپؐ کو خبر دینے کی کیا ضرورت تھی؟ نیز جب آپؐ نے حضرت حفصہؓ سے پوچھا تو حضرت حفصہؓ نے سوال کیا کہ آپ کو کس نے بتلایا؟ کہیں عائشہؓ نے تو نہیں بتلایا؟ اگر آپؐ حاضر و ناظر ہوتے تو کہتے کہ (أنا حاضر سامعٌ قولك وناظر إلى فعلِك) میں موجود تھا تمھاری باتیں سن رہا تھا اور تمھیں دیکھ بھی رہا تھا۔لیکن آپؐ نے فرمایا (نبّأني العليم الخبير) مجھے اس ذات نے خبر دی جو سب کچھ جاننے والا اور ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے۔اگر آپؐ حاضر و ناظر ہوتے تو حضرت حفصہؓ کو معلوم ہوتا کہ حضورؐ حاضر و ناظر ہیں اگر میں آپؐ کی بات عائشہؓ تک پہنچاؤنگی تو حضور کو پتہ چل جائے گا۔اور وہ حضورؐ کی بات حضرت عائشہؓ تک نہیں پہنچاتیں۔اسی طرح جب حضورؐ نے حضرت حفصہؓ سے پوچھا تو آپؓ اگر حضور کو حاضر و ناظر جانتیں تو یہ نہ پوچھتیں کہ آپ کو کس نے بتایا؟ الغرض حضرت حفصہؓ زوجۂ نبیؐ کو بھی معلوم نہیں کہ آپؐ حاضر و ناظر ہیں لیکن بریلوی حضرات کو پتہ نہیں کس نے بتادیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر و ناظر ہیں۔

وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مَسۡجِدًا ضِرَارًا وَّكُفۡرًا وَّتَفۡرِيۡقًا بَيۡنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَإِرۡصَادًا لِّمَنۡ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ مِنۡ قَبۡلُ ۚ وَلَيَحۡلِفُنَّ إِنۡ أَرَدۡنَا إِلَّا

الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَداً....

اس آیت کریمہ کے شان نزول کا جو واقعہ ہے اگر بریلوی حضرات اس واقعے کو ہی ایمان و یقین کے ساتھ پڑھ لیتے تو وہ حضور ﷺ کو حاضر و ناظر نہ کہتے۔ منافقین نے مسجد ضرار بنا کر حضور کو اس میں نماز پڑھانے کی دعوت دی۔ اگر حضورؐ حاضر و ناظر ہوتے تو آپ جان جاتے کہ یہ مسجد نہیں بلکہ مسجد کے نام سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے بنایا گیا مشورہ گاہ ہے۔ اور آپ وہاں جانے کا ارادہ نہ فرماتے۔ لیکن چونکہ آپؐ حاضر و ناظر نہ تھے لہذا آپ کو منافقین کے ارادوں اور منصوبوں کا علم نہ تھا چنانچہ آپؐ نے وہاں جانے کا وعدہ فرمالیا۔ لیکن اللہ جل جلالہ نے آپ کو باخبر کرنے کے ساتھ وہاں جانے سے منع بھی فرمادیا اور منافقین کے جھوٹے ہونے کی شہادت دی۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اگر آپؐ حاضر و ناظر ہوتے تو اللہ جل جلالہ کو یہ آیت نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ۞

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

"يَقُول تَعَالٰى مُخْبِرًا عَنِ الْمُنَافِقِينَ إِنَّهُمْ إِنَّمَا يَتَفَوَّهُونَ بِالْإِسْلَامِ إِذَا جَاءُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَّا فِي بَاطِنِ الْأَمْرِ فَلَيْسُوا كَذٰلِكَ بَلْ عَلَى الضِّدِّ مِنْ ذٰلِكَ وَلِهٰذَا قَالَ تَعَالٰى "إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللّٰه" أَيْ إِذَا حَضَرُوا عِنْدَكَ

وَاجْهُوكَ بِذٰلِكَ وَأَظْهَرُوا لَكَ ذٰلِكَ وَلَيْسَ كَمَا يَقُولُونَ وَلِهٰذَا اُعْتُرِضَ بِجُمْلَةٍ مُخْبِرَةٍ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ فَقَالَ " وَاللهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ". ثُمَّ قَالَ تَعَالٰى " وَاللهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ " أَيْ فِيمَا أَخْبَرُوا بِهِ وَإِنْ كَانَ مُطَابِقًا لِلْخَارِجِ لِأَنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْتَقِدُونَ صِحَّةَ مَا يَقُولُونَ وَلَا صِدْقَهُ وَلِهٰذَا كَذَّبَهُمْ بِالنِّسْبَةِ إِلٰى اِعْتِقَادِهِمْ." (تفسیر ابن کثیر)

علامہ ابن کثیرؒ کے قول "یقول تعالی مخبرا عن المنافقین " میں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ علامہ نے اللہ جل جلالہ کے لیے لفظ "مخبر" کا استعمال کیا ہے۔ اور خبر اس بات کی دی جاتی ہے جس کا علم سامنے والے کو نہ ہو۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر و ناظر تھے تو پھر آپ کو تو منافقین کی ساری بات اور حالت معلوم ہوتی۔ پھر اللہ تعالی آپؐ کو خبر کیوں دے رہے ہیں؟ کیا معاذ اللہ، اللہ جل جلالہ کا یہ عمل عبث ہے؟

اس آیت کریمہ کے شان نزول میں بخاری شریف میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک غزوہ سے واپس آتے ہوئے انھوں نے عبداللہ بن اُبی منافق کو یہ کہتے سنا کہ ہم عزت والے جب مدینہ کو چلے جائیں گے تو ذلت والوں (یعنی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرامؓ) کو نکال دیں گے۔ حضرت زیدؓ نے یہ بات اپنے چچا کو سنائی، انھوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تو آپؐ نے حضرت زیدؓ کو بلوا کر سارا واقعہ سنا، پھر رئیس المنافقین کو بلوایا گیا تو اس نے قسمیں اٹھا کر اپنی صفائی دی اور اپنی بات سے مکر گیا۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں: "فَكَذَّبَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَدَّقَهُ فَأَصَابَنِي هَمٌّ لَمْ يُصِبْنِي مِثْلُهُ قَطُّ " پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے مجھے جھٹلا دیا اور اُس کی تصدیق کی ۔ چنانچہ مجھے ایسی تکلیف ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی ۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں پھر مجھے میرے چچا نے بھی ملامت کی ۔ پھر بعد میں یہ سورت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوایا اور فرمایا: ”إِنَّ اللّٰهَ قَدْ صَدَّقَكَ يَا زَيْدُ۔“ (صحیح البخاری: ج ۲ ص: ۷۲۷ کتاب التفسیر ملخصاً)

اگر آپؐ حاضر و ناظر تھے اور صحابہ کرامؓ بھی آپ کو حاضر و ناظر جانتے تھے تو حضرت زیدؓ کے چچا یہ بات حضور کو کیوں بتاتے ؟ حاضر و ناظر کو تو ساری باتیں معلوم ہوتی ہیں ۔ پھر حضور حضرت زیدؓ کی تکذیب کر کے انھیں غم کیوں پہنچاتے ؟ اگر بات گواہ اور یمین کی تھی تو حضور کہہ سکتے تھے کہ اے زید مجھے معلوم ہے کہ عبداللہ ابن اُبی جھوٹی قسم کھا رہا ہے لیکن اصول عدالت کے اعتبار سے اسے سچا تسلیم کرنا پڑیگا ۔ جبکہ حضورؐ نے حضرت زیدؓ کی تکذیب کی اس سے پتا چلا کہ حضورؐ حاضر و ناظر نہیں تھے ۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ۝

اس آیت کریمہ میں اللہ جل جلالہ اپنے نبیؐ کو خبر دے رہے ہیں کہ منافقین میں سے بہت سوں کو آپ نہیں پہچانتے لیکن ہم ان کے نفاق کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں ۔ (لا تعلمهم) کہہ کر حضورؐ کی طرف عدم علم کی نسبت اس بات کی دلیل ہے کہ حضورؐ حاضر و ناظر نہیں تھے ۔ نیز قرآنی آیات اور احادیث کثیرہ صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپؐ کو اللہ جل جلالہ کے خبر دینے سے پہلے منافقین کے نفاق کا علم نہیں تھا ۔ اللہ تعالی نے خبر دی

تب حضور کو علم ہوا۔ چنانچہ سورہ محمد کی آیت کریمہ ہے:

وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَا كَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمَاهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ

اور اگر ہم چاہتے تو آپ کو وہ لوگ دکھا دیتے پھر آپ انھیں ان کی نشانیوں سے پہچان جاتے، اور آپ ضرور انھیں ان کے بات کرنے کے انداز سے پہچان جاتے۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس لیے کہ بعض منافقین تو اپنے قول وعمل سے پہچان میں آجاتے تھے۔ لیکن خاص منافقین کو ناموں کے ساتھ جاننا حضورؐ کے لیے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ بریلوی حضرات بھی یہ مانتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ کے بتانے سے پہلے حضور کو منافقین کا علم نہ تھا۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ ایک زمانہ حضورؐ پر ایسا بھی گزرا جس میں آپؐ کو منافقین کے نفاق کا علم نہیں تھا تو آپؐ سے حاضر و ناظر کی بھی نفی ہوگئی۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کی ایک مشہور حدیث ہے جو ان کی شادی کے متعلق ہے ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ هَلَكَ وَ تَرَكَ تِسْعَ بَنَاتٍ أَوْ قَالَ سَبْعَ بَنَاتٍ فَتَزَوَّجْتُ امْرَأَةً ثَيِّبًا فَقَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَا جَابِرُ! تَزَوَّجْتَ؟ قَالَ، قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَبِكْرٌ أَمْ ثَيِّبٌ؟ قَالَ قُلْتُ بَلْ ثَيِّبٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ فَهَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَ تُلَاعِبُكَ أَوْ قَالَ تُضَاحِكُهَا وَ تُضَاحِكُكَ قَالَ قُلْتُ لَهُ إِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ هَلَكَ وَ تَرَكَ تِسْعَ بَنَاتٍ أَوْ سَبْعَ بناتٍ وَ إِنِّي

كَرِهْتُ أَنْ آتِيَهُنَّ أَوْ أَجِيئَهُنَّ بِمِثْلِهِنَّ فَأَحْبَبْتُ أَنْ أَجِيئَ بِامْرَأَةٍ تَقُومُ عَلَيْهِنَّ وَ تُصْلِحُهُنَّ قَالَ فَبَارَكَ اللّٰهُ لَكَ أَوْ قَالَ لِي خَيْرًا ۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ (جابر رضی اللہ عنہ کے والد) وفات پا گئے اور نو یا سات بیٹیاں (راوی کو شک ہے) چھوڑ گئے۔ تو میں نے ثیبہ عورت (جو مطلقہ ہو یا جس کا خاوند فوت ہو چکا ہو) سے شادی کر لی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا "اے جابر! تو نے شادی کر لی ہے؟" میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کنواری سے یا ثیبہ عورت سے؟" تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ثیبہ سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کنواری سے کیوں نہ کی کہ وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے یا آپؐ نے فرمایا کہ وہ تجھ سے ہنسی مذاق کرتی اور تم اس سے کیا کرتے؟" حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ میرے والد عبداللہ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے اور نو (یا سات) بیٹیاں چھوڑ گئے اور میں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ ان لڑکیوں جیسی ہی لڑکی لے آؤں۔ میں نے یہ اچھا سمجھا کہ (اپنے نکاح میں اور ان کی تربیت کے لیے) ایسی بیوی لاؤں جو اُن کی نگرانی کرے اور ان کی اصلاح کرے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ تیرے لیے برکت کرے۔" یا پھر کوئی اور بھلائی کی بات فرمائی۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ تو حضرت جابرؓ کی شادی کا پتہ تھا اور نہ یہ پتہ تھا کہ حضرت جابرؓ نے ثیبہ سے شادی کی ہے یا باکرہ سے۔ لہذا حضورؐ حاضر و ناظر کیسے ہوئے؟

بخاری و مسلم شریف اور دیگر کتب حدیث میں حضرت ابو ہریرۃؓ کی یہ مشہور حدیث ہے جو واقعۂ اسراء و معراج سے متعلق ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لقد رأيتني في الحجر وقريش تسألني عن مسراى فسألتني عن أشياء من بيت المقدس لم أثبتها فكربت كربة ما كربت مثله قط قال فرفعه الله لي أنظر إليه ما يسألوني عن شيء إلا أنبأتهم به۔

(صحیح مسلم: ج۱،ص۹۶، باب المعراج۔ صحیح البخاری: ج۱،ص۵۴۸)

اگر بریلوی حضرات اس حدیث پر ایمان رکھتے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر و ناظر ہرگز نہ کہتے۔ اس حدیث میں خصوصاً تین الفاظ قابل غور ہیں جو واضح طور پر یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر و ناظر نہیں تھے۔ پہلا لفظ "لَمْ اُثْبِتْهَا" ہے۔ دوسرا لفظ "فكربتُ كربةً" ہے۔ تیسرا لفظ "فرفعه الله" ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب قریش نے مجھ سے بیت المقدس کی چیزوں، کھڑکی، دروازے وغیرہ کے متعلق پوچھا جو میرے ذہن میں محفوظ نہیں تھیں تو میں ایسا پریشان ہوا کہ اس سے پہلے کبھی ایسا پریشان نہ ہوا تھا۔ چنانچہ اللہ جل جلالہ نے بیت المقدس کو بلند کر کے میری آنکھوں کے سامنے کر دیا جس کی طرف میں دیکھ رہا تھا۔

بریلوی حضرات سے سوال ہے کہ اگر حضورؐ حاضر و ناظر تھے یعنی ہر چیز کو دیکھ رہے تھے تو بیت المقدس کی کھڑکیوں اور دروازوں کی تعداد ذہن سے کیسے نکل گئی؟ اور پھر حضورؐ ایسے پریشان کیوں ہو گئے کہ اس سے پہلے کبھی ایسے پریشان نہ ہوئے تھے؟ اگر

حضورؐ حاضر وناظر تھے تو ایک ایک چیز دیکھتے اور قریش کے سوالوں کے جواب دے دیتے پریشانی کی کیا بات تھی؟ اور پھر اللہ تعالی نے بیت المقدس کو بلند کر کے حضورؐ کی نظروں کے سامنے کیوں کیا؟ اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کے بیت المقدس کو بلند کرنے سے پہلے حضورؐ اسے نہیں دیکھ رہے تھے۔ جب حضورؐ سے دیکھنے کی نفی ثابت ہوگئی تو حاضر وناظر ہونے کی نفی بھی ہوگئی۔

حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح کے بعد ولیمہ کے روز کا واقعہ ہے جب آپؐ نے صحابہؓ کو اپنے گھر دعوت ولیمہ کے لیے بلایا تھا:

قال أنس أصبح رسول الله صلى الله عليه وسلم عروسا بزينب بنت جحش قال وكان تزوجها بالمدينة فدعا الناس للطعام بعد ارتفاع النهار فجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم وجلس معه رجال بعد ما قام القوم حتى قام رسول الله صلى الله عليه وسلم فمشى فمشيت معه حتى بلغ باب حجرة عائشة ثم ظن أنهم قد خرجوا فرجع ورجعت معه فإذا هم جلوس مكانهم.

(صحیح مسلم: ج۱، ص۴۶۱۔ صحیح البخاری: ج۲، ص۷۰۶)

اس حدیث میں "ثم ظن انهم قد خرجوا" اور "فرجع" یہ دو الفاظ واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر نہیں تھے۔ کیونکہ اگر آپؐ حاضر وناظر ہوتے تو حضرت زینبؓ کے حجرے سے نکل کر حضرت عائشہؓ کے حجرے کے دروازے تک چلے جانے کے باوجود حضور کو وہ صحابہ نظر آتے جو کھانا کھانے

کے بعد بیٹھے ہوئے تھے۔اور حضورؐ اس گمان کے ساتھ کہ صحابہ جا چکے ہونگے انھیں دیکھنے کے لیے واپس نہ آتے۔حضور کا گمان اور پھر آپ کا واپس آنا دلیل ہے اس بات کی کہ آپ حاضر و ناظر نہیں تھے۔

حضرت خبیب بن عدیؓ کے واقعہ میں حضرت عاصم بن ثابتؓ کا وہ تاریخی جملہ اگر بریلوی حضرات ایمان و یقین کے ساتھ پڑھتے تو وہ یقینا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر و ناظر نہیں کہتے۔جب سو کفارِ مکہ نے دس صحابہؓ کی جماعت کو گھیر لیا اور انھیں امان دینے کا جھوٹا وعدہ کرنے لگے تب حضرت عاصمؓ نے فرمایا: أما أنا فو الله لا أنزل فی ذمة مشرك، اللهم أخبر عنا نبيك۔حضرت عاصم رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ حضورؐ عالم الغیب نہیں ہیں، حاضر و ناظر نہیں ہیں کہ آپ کو اپنے جانثاروں کے احوال کا، ان کے محصور ہوجانے کا علم ہوجائے گا۔اسی لیے آپؓ نے اللہ رب العزت سے دعا فرمائی کہ اے اللہ اپنے نبیؐ کو ہمارے محصور ہونے کی خبر پہنچا دے۔حضرت عاصمؓ کی دعاء دلیل ہے اس بات کی کہ آپؐ حاضر و ناظر نہیں تھے۔

۳. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی وفات کے بعد بھی حاضر و ناظر نہیں ہیں۔

مذکورہ بالا آیات اور احادیث سے ثابت ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی پیدائش سے پہلے اور اپنی زندگی میں بھی حاضر و ناظر نہیں تھے۔اب رہا یہ دعوی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی وفات کے بعد حاضر و ناظر ہوئے۔اگر یہی دعوی ہے تو بریلوی حضرات سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ ایسے دلائل پیش کریں جن سے عموما نہیں بلکہ خصوصا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی وفات کے بعد حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہو۔کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے پہلے آپؐ کے

حاضر وناظر نہ ہونے کو ہم دلائل سے ثابت کر چکے ہیں۔ ہاں البتہ حضورؐ کی وفات کے بعد بھی آپؐ کا حاضر وناظر نہ ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ حدیثِ حوض جو حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ، حضرت انس بن مالک اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ جیسے اجلہ صحابۂ کرام سے مروی ہے جسے بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں حضورؐ کے متعلق یہ قول (إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ) صاف اور واضح ہے کہ حضورؐ اپنی وفات کے بعد حاضر وناظر نہیں تھے۔ پوری حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ، وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا، لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُونِي، ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ. فَأَقُولُ: إِنَّهُمْ مِنِّي، فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ، فَأَقُولُ: سُحْقًا، سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِي۔

(رواہ البخاری (۶۲۱۲) ومسلم (۲۲۹۰))

عن عَبْدِ اللهِ بنِ مسعود قال: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ لَيُرْفَعَنَّ إِلَيَّ رِجَالٌ مِنْكُمْ حَتَّى إِذَا أَهْوَيْتُ لِأُنَاوِلَهُمْ اخْتُلِجُوا دُونِي، فَأَقُولُ: أَيْ رَبِّ أَصْحَابِي يَقُولُ: لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ۔

(رواہ البخاری (۶۶۴۲) ومسلم (۲۲۹۷))

ان احادیث کی تشریح میں علما نے لکھا ہے کہ ..... وينا ديهم النبي صلى الله عليه وسلم بألفاظ هي "أمتي" "أصحابي" "أصيحابي" وليس بينها اختلاف تضاد. بل هي محمولة على أناس تشملهم معاني تلك الكلمات. ويمكننا أن نحملهم بهذه الطوائف:

۱. مرتدون عن الإسلام بعد وفاة النبي صلى الله عليه وسلم، وكانوا أسلموا في حياته ورأوه وهم على الإسلام

۲. مرتدون عن الإسلام في أواخر حياته صلى الله عليه وسلم ولم يكن يعلم بكفرهم

۳. أهل النفاق ممن أظهر الإسلام، وأبطن الكفر

۴. أهل الأهواء الذين غيّروا سنّة النبي صلى الله وسلم وهَدْيَه، كالروافض، والخوارج

۵. وبعض العلماء يُدخل فيهم أهل الكبائر۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے:

حدثنا أبو الوليد حدثنا شعبة أخبرنا المغيرة بن النعمان قال سمعت سعيد بن جبير عن ابن عباس رضي الله عنهما قال خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا أيها الناس إنكم محشورون إلى الله حفاة عراة غرلا ثم قال كما بدأنا أول خلق نعيده وعدا علينا إنا كنا فاعلين إلى آخر الآية ثم قال ألا وإن أول الخلائق يكسى

يوم القيامة إبراهيم ألا وإنه يجاء برجال من أمتي فيؤخذ بهم ذات الشمال فأقول يارب أصيحابي فيقال إنك لا تدري ما أحدثوا بعدك فأقول كما قال العبد الصالح وكنت عليهم شهيدا ما دمت فيهم فلما توفيتني كنت أنت الرقيب عليهم وأنت على كل شيء شهيد فيقال إن هؤلاء لم يزالوا مرتدين على أعقابهم منذ فارقتهم۔

ان تمام احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف عدم ادراک کی نسبت کی گئی ہے جس سے صاف واضح ہے کہ حضورؐ حاضر و ناظر نہیں تھے۔ نیز حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ (ولم یکن یعلم بکفرھم) یعنی حضور کو ان کے کفر کا علم نہ ہو سکا۔

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ، وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِياً أُبْلِغْتُهُ.

(مشکوۃ: ۸۷)

اس حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ کہنا کہ مجھ تک درود پہنچا دیا جاتا ہے یہ دلیل ہے اس بات کی کہ حضورؐ وفات کے بعد حاضر و ناظر نہیں ہیں۔ کیونکہ ابلاغ غائب تک کی جاتی ہے۔ حاضر تک ابلاغ کی کوئی ضرورت نہیں۔

الغرض قرآن و حدیث سے صاف اور واضح طور پر یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر و ناظر نہیں تھے۔ نہ اپنی پیدائش سے پہلے نہ بعد میں اور نہ ہی وصال کے بعد۔ بریلوی حضرات قرآن و حدیث کے مفاہیم کو توڑ مروڑ کر انھیں غلط معنی پہنا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر و ناظر ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

عقیدۂ حاضر وناظر پر بریلوی حضرات کے دلائل کا جائزہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر وناظر ماننا بریلویوں کے نزدیک دین اسلام کا بنیادی اور کفر و ایمان کا عقیدہ ہے۔ چنانچہ بریلویوں کے شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمرالدین صاحب سیالوی کے ملفوظات میں لکھا ہے:

"شیخین کا گستاخ اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے کا منکر دونوں شخص عقیدہ کے لحاظ سے اس کے مرتکب ہوتے ہیں اور یہ التزام کفر ہے، جس سے نکاح نہیں رہتا جس فعل کا تعلق عقیدے سے ہو اور اہل السنۃ کے خلاف ہو تو اس کا فاعل مرتد قطعی ہے العیاذ باللہ۔ اور اس کا قتل واجب ہے۔" (انوارِ قمریہ ص:۱۰۷)

مولوی محمد عمر اچھروی لکھتے ہیں:

"جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے کے منکر ہیں ان کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ ایمان سے خالی ہیں۔" (مقیاس حنفیت، ص:۲۶۸)

فیض احمد اویسی لکھتے ہیں:

"حضور علیہ السلام کے حاضر وناظر ہونے کا انکار وہی کرے گا جو یا تو اپنے آپ کو مومن نہ جانے یا حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہ سمجھے۔"

(صحابہ کرام کا عقیدہ، ص:۸)

مولوی غلام نصیر الدین سیالوی لکھتے ہیں:

"یہ لوگ حضور علیہ السلام کے اوصاف کاملہ کے انکار کی وجہ سے کافر ہوگئے۔ جن صفات کاملہ کا ان لوگوں نے انکار کیا ہے ان میں علم غیب، حاضر وناظر، معراج کی

رات حضور علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنا اور حضور علیہ السلام کی اعانت کرنا اور آپ علیہ السلام سے استمداد کا منکر ہو جانا یہ ان کے کفر کی وجوہات ہیں۔"

(عباراتِ اکابر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، جلد ا ص:۶۹)

پس جب بریلویوں کے نزدیک حاضر وناظر کا عقیدہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور اس عقیدے کے منکر کو بریلوی حضرات کافر کہتے ہیں تو انھیں اس عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے قطعی الثبوت وقطعی الدلالۃ دلیل پیش کرنی ہوگی۔ اس سے کم درجے کی دلیل سے یہ عقیدہ ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ فقہا کے نزدیک اصولِ استنباط میں سے یہ ہے کہ جو عقیدہ اسلام اور کفر کے مابین دائر ہو اس کے ثبوت کے لیے قطعی الثبوت وقطعی الدلالۃ دلیل کی حاجت ہوتی ہے۔ ایک بریلوی مفتی، محمد شبیر قادری اپنے ویب سائٹ دی فتوی ڈاٹ کام میں سوال نمبر ۳۵۷۸ کے جواب میں لکھتے ہیں:

"ثبوت کے اعتبار سے احکام اسلامیہ کی مختلف قسمیں ہیں اور تمام اقسام کا حکم بھی مختلف ہے۔ کفر کا حکم صرف ان احکام کے انکار سے عائد ہوتا ہے جو قطعی الثبوت بھی ہوں اور قطعی الدلالت بھی۔ اگر کوئی شخص قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت احکام کو تسلیم کرنے سے انکار اور گردن کشی کرے اور ان کے واجب التعمیل ہونے کا عقیدہ نہ رکھے تو وہ ضروریات دین کا منکر ہونے کی وجہ سے اہلِ قبلہ میں شامل نہیں رہتا۔ لیکن اگر کوئی شخص حکم کو تو واجب التعمیل سمجھتا ہے مگر غفلت کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کرتا تو فاسق اور گمراہ، مگر اہلِ اسلام میں شامل ہے۔ احکام کے قطعی الثبوت ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ ان کا ثبوت قرآن مجید یا احادیثِ متواترہ سے ہو، اور قطعی الدلالۃ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو

عبارت قرآن مجید یا حدیث متواتر میں اس حکم کے متعلق وارد ہوئی ہے وہ اپنے مفہوم و مراد کو صاف صاف بیان کرتی ہو، اور اس میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہ ہو۔ واللہ و رسولہ اعلم بالصواب۔"

لہذا اس مسئلے میں بریلوی حضرات کے پیش کردہ کثیر الاحتمال آیات قرآنیہ یا مؤولہ احادیثِ متواترہ یا اخبار آحاد جو بھلے ہی قطعی الدلالۃ ہوں قابل قبول نہ ہونگے۔ نہ وہ آیات قرآنیہ اور احادیث ان حضرات کی دلیل بن سکتی ہیں جو جزئی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم و مشاہدے کو ثابت کرتی ہیں۔ اس لیے کہ جب ان حضرات کا دعوی عام ہے تو دلیل بھی عام ہونی ضروری ہے۔ اس مسئلے میں بریلوی حضرات قیاس اور عقلی دلیل بھی پیش کرتے ہیں۔ یہ ان حضرات کی عقلی دیوالیہ پن کی علامت ہے کہ اسلام کے ایک بنیادی عقیدے کو وہ قیاس اور عقلی دلیل سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ لہذا مذکورہ تحریر میں ان کے ناقابل اعتناء دلائل پر وقت نہ صرف کرتے ہوئے ان کے چند قابل اعتناء دلائل کا جائزہ لیا جائے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر و ناظر ثابت کرنے کے لیے بریلوی حضرات قرآن کریم کی آیت إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَّ مُبَشِّراً وَّنَذِيراً میں لفظ "شاھد" سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ پاک نے امت کے اعمال و افعال پر گواہ بنایا ہے لہذا حضور گواہی جبھی دیں گے جب آپ ہر امتی کے اعمال و افعال کو دیکھیں گے۔ اور آپؐ ہر امتی کے اعمال و افعال کو تبھی دیکھ سکیں گے جب آپؐ ناظر ہونگے۔ پس ثابت ہوا کہ حضورؐ حاضر و ناظر ہیں۔

جواب:

لفظ شاھد سے اصطلاحی حاضر و ناظر مراد لینا کئی وجوہ سے درست نہیں ہے۔
ہاں البتہ شاھد کا لغوی معنی "گواہی دینے والا" مراد لیا جاسکتا ہے۔ اس میں کوئی قباحت اور اختلاف نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن گواہ ہونگے۔ لیکن گواہ ہونے کے لیے حاضر و ناظر ہونے کی شرط لگانا باطل اور بے دلیل ہے۔ اس لیے کہ اگر اس شرط کو تسلیم کرلیا جائے تو پھر امت کے ہر فرد کو حاضر و ناظر تسلیم کرنا پڑیگا جو کہ بریلوی حضرات بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اور یہ اس طرح کہ شاھد اور شھید کا لفظ اللہ جل جلالہ نے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے استعمال فرمایا ہے ٹھیک اسی طرح امت محمدیہ کے لیے بھی اس لفظ کا استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

وَكَذَالِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا.

اس آیت کریمہ میں لفظ "شُھَدا" شہید کی جمع ہے جو یہاں "گواہ" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں عام انسانوں کے لیے دیگر مقامات پر بھی شاہد و شہید کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ۔ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا۔ وغیرہ

پس اگر شاہد و شہید کا معنی حاضر و ناظر ہوتو پھر ہر امتی کو حاضر و ناظر تسلیم کرنا ہوگا جو کہ بالاتفاق باطل ہے۔ یہ بات درست ہے کہ لغوی اعتبار سے شاہد و شہید گواہی دینے والے کو بھی کہتے ہیں۔ لیکن گواہی دینے کے لیے حاضر و ناظر ہونا لازم نہیں ہے جیسا کہ

بریلوی حضرات کہتے ہیں۔ بلکہ گواہی علم ویقین کی بنیاد پر بھی دی جاتی ہے جیسا کہ تمام مسلمان أشهد ان لا اله الا الله اور أشهد ان محمدا رسول الله کی گواہی دیتے ہیں جبکہ تمام مسلمانوں نے نہ تو اللہ جل جلالہ کو دیکھا ہے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو۔اسی طرح قیامت کے دن اللہ جل جلالہ امت محمدیہ کو انبیاء سابقہ کی نبوت پر گواہ بنائیں گے جبکہ امت محمدیہ نے انبیاء سابقہ کی نبوت کو نہ دیکھا نہ اس وقت حاضر تھی۔ بلکہ وہ اپنے سچے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اور خبر پر ایمان رکھتے ہوئے انبیاء سابقہ کے نبوت کی گواہی دے گی۔ قرآن کریم کی آیت وكذالك جعلنا كم امة وسطاً الخ کی تفسیر میں علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ:

وقال الإمام أحمد أيضا : حدثنا أبو معاوية ، حدثنا الأعمش ، عن أبي صالح ، عن أبي سعيد الخدري قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " يجيء النبي يوم القيامة [ومعه الرجل والنبي] ومعه الرجلان وأكثر من ذلك فيدعى قومه ، فيقال [لهم] هل بلغكم هذا ؟ فيقولون : لا . فيقال له : هل بلغت قومك ؟ فيقول : نعم . فيقال [له] من يشهد لك ؟ فيقول : محمد وأمته . فيدعى بمحمد وأمته ، فيقال لهم : هل بلغ هذا قومه ؟ فيقولون : نعم . فيقال : وما علمكم ؟ فيقولون : جاءنا نبينا صلى الله عليه وسلم فأخبرنا أن الرسل قد بلغوا " فذلك قوله عز وجل : (وكذلك جعلناكم أمة وسطا) قال : عدلا (لتكونوا شهداء على الناس

ویکون الرسول علیکم شھیدا) (تفسیر ابن کثیر)

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن تمام امت کے اعمال و افعال پر گواہ ہونگے تو اپنے اس علم کی بنیاد پر گواہ ہونگے جو اللہ جل جلالہ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں۔ اس کے لیے حاضر و ناظر ہونا لازم نہیں ہے۔

بریلوی حضرات کی دوسری دلیل قرآن کریم کی وہ آیتیں ہیں جن میں اللہ جل جلالہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرکے ماقبل کے واقعات دیکھنے کی نسبت آپؐ کی طرف کی ہے۔ مثلا أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ۔ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ۔ ان آیتوں میں انکار بمعنی اثبات ہے یعنی اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں کہ اے نبیؐ آپ نے دیکھا کہ آپ کے رب نے اصحاب فیل کے ساتھ کیا کیا؟ قوم عاد و اِرَم و ثمود کے ساتھ کیا کیا؟ جب کہ آپؐ نہ تو عاد و ثمود کے زمانے میں تھے نہ ہی واقعۂ فیل کے وقت تھے۔ پھر بھی اللہ جل جلالہ کہہ رہے ہیں کہ اے نبیؐ آپ نے دیکھا۔ کیا مطلب دیکھنے کا؟ یعنی اس وقت آپؐ حاضر و ناظر تھے اور قوم عاد و ثمود اور اصحاب فیل پر اللہ جل جلالہ کے عذاب کو دیکھ رہے تھے اسی لیے اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں اے نبی آپ نے دیکھا۔

جواب:

مذکورہ آیت یا آیتوں کا الزامی جواب یہ ہے کہ ان آیتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رویت کی نسبت سے اگر آپؐ کے حاضر و ناظر ہونے پر استدلال کیا جائے تو پھر امت کے دیگر افراد حتی کہ کفار و مشرکین کو بھی حاظر و ناظر تسلیم کرنا پڑے گا۔ کیونکہ قرآن کریم میں جس طرح ماقبل کے واقعات کی رویت کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی گئی

ہے اُسی طرح امت کے دیگر افراد کی طرف بھی کی گئی ہے۔اور جن واقعات کی رویت کی نسبت امت کے افراد کی طرف کی گئی ہے ان واقعات کے رونما ہونے کے زمانے میں وہ افراد موجود نہیں تھے۔اسی طرح اللہ تعالی نے ساتوں آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے اور ان کے دیکھنے کی نسبت امت کے افراد کی طرف کی ہے۔جبکہ انسانی آنکھوں نے نہ تو ساتوں آسمان وزمین کو دیکھا ہے نہ ہی ان کی خلقت کے وقت موجود تھیں۔ چنانچہ آیات قرآنیہ ملاحظہ فرمائیں:

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَالَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ۔ (سورۃ انعام)

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنِ۔ (سورۃ یس)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللهَ خَلَقَ السّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ۔ (سورۃ بنی اسرائیل)

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللهُ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ طِبَاقاً۔

(سورۃ نوح)

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔ (سورۃ رعد)

أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا أَفَهُمُ الْغَالِبُوْنَ۔ (سورۃ انبیاء)

ان جیسی اور بھی آیتیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ ان تمام آیتوں میں بالخصوص مشرکین مکہ یا تمام انسانوں کی طرف رویت کی نسبت کی گئی ہے لیکن ان آیتوں سے کوئی بھی صحیح العقل، صاحب العلم اور فقیہ فی الدین؛ کفار و مشرکین یا امت کے کسی بھی فرد کے حاضر و ناظر ہونے پر یا آیتوں میں موجود امور کو آنکھوں سے دیکھنے پر استدلال نہیں کرتا۔ بلکہ ان تمام آیتوں کی دو طرح سے تفسیر کی جاتی ہے۔

۱۔ دیکھنے سے مراد علم اور خبر ہے۔

۲۔ دیکھنے سے مراد مذکورہ امور کے نشانات اور باقیات کا دیکھنا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے کہ امم سابقہ پر اللہ جل جلالہ کے جو عذابات نازل ہوئے تھے ان کے باقیات و نشانات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے تک موجود تھے (ہوسکتا ہے اب بھی کچھ موجود ہوں) اور حضورؐ کے ساتھ صحابۂ کرامؓ نے بھی ان کا مشاہدہ کیا ہے۔ لیکن ان نشاناتِ عبرت کا مشاہدہ کرنے کے بعد جس طرح صحابۂ کرامؓ حاضر و ناظر نہیں ہو گئے اسی طرح حضور بھی حاضر و ناظر نہیں ہوئے۔ چنانچہ بریلویوں کے مستدل آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر میں کسی بھی معتبر و مستند مفسر نے یہ نہیں لکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امم سابقہ کے عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں:

وقوله: (أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ * إِرَمَ) يقول تعالى ذكره لنبيه محمد صلى الله عليه وسلم: ألم تنظر يا محمد بعين قلبك، فترى كيف فعل ربك بعاد؟ (تفسیر طبری)

ألم تر . أي ألم ينته علمك إلى ما فعل ربك بعاد . وهذه

الرؤية رؤية القلب، والخطاب للنبی صلی الله علیه وسلم - والمراد عام. وكان أمر عاد وثمود عندهم مشهورا إذ كانوا فی بلاد العرب، وحجر ثمود موجود اليوم. وأمر فرعون كانوا يسمعونه من جيرانهم من أهل الكتاب، واستفاضت به الأخبار، وبلاد فرعون متصلة بأرض العرب. وقد تقدم هذا المعنی فی سورة (البروج) وغيرها۔

(تفسیر قرطبی)

قوله عز وجل: (ألم تر) قال الفراء: ألم تخبر؟ وقال الزجاج: ألم تعلم؟ ومعناه التعجب. (كيف فعل ربك بعاد)

(تفسیر بغوی)

والاستفهام فی قوله: (أَلَمْ تَرَ..) للتقرير، والرؤية: علمية، تشبيها للعلم اليقينی بالرؤية فی الوضوح والانكشاف، لأن أخبار هذه الأمم كانت معلومة للمخاطبين. ويجوز أن تكون الرؤية بصرية، لكل من شاهد آثار هؤلاء الأقوام البائدين۔

(تفسیر وسیط، محمد سید طنطاوی)

والرؤيَةُ فی (ألم تر) يجوز أن تكون رؤية عِلْمية تشبيهاً للعلم اليقينی بالرؤية فی الوضوح والانكشاف لأن أخبار هذه الأمم شائعة مضروبة بها المُثُل فكأنها مشاهدة. فتكون (كيف) استفهاماً معلِّقاً فعل الرؤية عن العمل فی مفعولين. ويجوز أن تكون

الرؤية بصرية والمعنى: ألم تر آثار ما فعل ربك بعاد. وتكون (كيف) إسماً مجرّداً عن الاستفهام فی محل نصب على المفعولية لفعل الرؤية البصرية۔ (تفسیر التحریر والتنویر لابن عاشور)

اور آیت کریمہ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيْلِ کی تفسیر میں علامہ فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں:

ثم فی الآية سوالات۔ الاوّل: لِمَ قال (اَلَمْ تَرَ) مع انّ هذه الواقعة وقعت قبل المبعث بزمان طويل ؟ (الجواب) المراد من الرؤية العلم والتذكير ، وهو اشارة الى انّ الخبربه متواتر فكان العلم الحاصل به ضروريا مساويا فی القوة والجلاء للرؤية ، ولهذا السبب قال لغيره على سبيل الذم (اولم يروا كم اهلكنا قبلهم من القرون) (تفسیر کبیر)

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رویت کی نسبت والی آیتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر وناظر ثابت کرنا کسی بھی اعتبار سے درست نہیں ہے۔ نہ عقلا نہ سمعا۔

بریلوی حضرات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر وناظر ثابت کرنے کے لیے قرآن کریم کی ایک اور آیت کو بطور دلیل زور وشور سے پیش کرتے ہیں۔ سورۃ احزاب میں ہے:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ وَاُولُو الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔

اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور مطلب بریلوی حضرات یوں بیان کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنین کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔اور جو قریب ہوتا ہے وہ حاضر بھی ہوتا ہے۔لہذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر امتی کے پاس حاضر ہیں اور جب حاضر ہیں تو ناظر بھی ہیں۔

جواب:

اصولی طور پر یہ آیت بریلوی حضرات کے دعوے کی دلیل نہیں بن سکتی۔اس لیے کہ ماقبل میں گزر چکا ہے کہ ایسا عقیدہ جو اسلام اور کفر کے مابین دائر ہو اس کا ثبوت قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت دلیل سے ہی ہوسکتا ہے۔مذکورہ آیت گرچہ قطعی الثبوت ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر و ناظر ثابت کرنے کے سلسلے میں یہ آیت قطعی الدلالۃ نہیں ہے۔کیونکہ اس آیت میں لفظ"اَوْلٰی"استعمال ہوا ہے جو کئی معنی کا محتمل ہے۔اور مفسرین نے اس آیت کی الگ الگ تفاسیر کی ہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ بریلوی حضرات اس آیت کریمہ کا جو مطلب بتاتے ہیں اس مطلب کی کئی آیتیں قرآن کریم میں اللہ جل جلالہ کے لیے نازل ہوئی ہیں۔

سورۃ بقرۃ میں ہے: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ

سورۃ قاف میں ہے: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ

سورۃ واقعۃ میں ہے: وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَكِن لَّا تُبْصِرُونَ

"قریب"عربی زبان کا فصیح ترین لفظ ہے۔دسیوں جگہ قرآن کریم میں قربت یعنی نزدیکی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔لہذا اگر اللہ جل جلالہ کو یہ بتلانا مقصود ہوتا کہ محمدؐ مومنین کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں تو اللہ جل جلالہ اس جگہ بھی"اَقْرَبُ"کا لفظ استعمال

فرماتے جیسا کہ مذکورہ بالا آیتوں میں فرمایا ہے کہ میں اپنے بندوں سے قریب ہوں۔اور بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں۔لیکن اللہ جَلَّ جَلالُہٗ نے اس آیت میں "اقرب" کے بجائے "اولی" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔اس سے پتہ چلا کہ یہاں "اولی" اقرب کے معنی میں نہیں ہے۔ چنانچہ اگر بریلوی حضرات اس آیت کریمہ کی عربی تفاسیر اور کچھ احادیث کی کتابوں کا مطالعہ کر لیتے تو ان کے سارے مغالطے دور ہو جاتے اور وہ لفظ اولیٰ کا ترجمہ یا مطلب حاضر و ناظر ہرگز نہ کرتے۔

چنانچہ ابوداؤد شریف میں قرآن کریم کے الفاظ کے مثل حضرت جابرؓ کی حدیث موجود ہے:

حدثنا محمد بن کثیر اخبرنا سفیان عن جعفر عن ابیه عن جابر بن عبدالله قال: کان رسول الله ﷺ یقول: وانا اولیٰ بالمؤمنین من انفسهم، من ترك مالا فلِأهله ومن ترك دینا او ضیاعا فإلیَّ وعلیَّ۔ (رقم الحدیث ۲۹۵۴)

یعنی میں مومنین کا ان کی جان سے بڑھ کر ولی ہوں۔اگر کسی شخص کی وفات ہو جائے تو جو کچھ مال و دولت وہ چھوڑے وہ اس کے وارثین اہل خانہ کے لیے ہے۔اور جو قرض یا ضیاع چھوڑ جائے تو وہ میرے لیے اور مجھ پر ہے۔حدیث شریف کی تشریح میں علامہ خطابیؒ ابوداؤد شریف کے حاشیہ معالم السنن میں لکھتے ہیں:

هذا فیمن ترك دینا لا وفاء له فی ماله، فانه یقضی دینه من الفیء، فاما من ترك وفاءً فان دینه مقتضی منه، ثم بقیة ماله بعد

ذالك مقسومة بين ورثته، (والضياع) اسم لكل ما هو بعرض أن يضيع إن لم يتعهد كالذرية الصغار، والاطفال، والزمنى الذين لايقومون بكل انفسهم وسائر من يدخل فى معناهم۔

اس تشریح سے ثابت ہوا کہ "اولیٰ" ولایت سے مشتق ہے اور اس جگہ ولایت کا معنی ہی مراد ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امتی کے ولیٔ اقرب ہیں اور آپ کو مومن پر خود مومن کی جان سے بھی قوی ولایت حاصل ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولی کی طرح امتی کے متعلق کوئی بھی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيْمَا.

اور ولی کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امتی کے ذمہ دار بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص مقروض مر جائے اور اس کے ترکے میں اتنا مال نہ ہو کہ اس کا قرض ادا کیا جا سکے تو اس کے قرض کی ادائیگی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مال فیٔ سے کی جاتی تھی اور ایسے شخص کے اہل خانہ کی کفالت بھی مال فیٔ یا بیت المال سے ہوتی تھی۔ بس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امتی کے مال کے وارث نہیں ہوتے تھے۔ حدیث میں یہی بیان کیا گیا ہے اور محدثین نے اس حدیث کو ولایت، قرض کی ادائیگی اور اہل خانہ کی کفالت کے باب میں ذکر کیا ہے۔

بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ شریف میں بھی اسی مضمون کی حدیثیں موجود ہیں۔

اور اگر یہ مان لیا جائے کہ اس آیت میں "اولیٰ" بمعنی "اقرب" ہے؛ جیسا کہ ایک تفسیر اس آیت کی اقرب سے بھی کی گئی ہے۔ چنانچہ بریلوی حضرات حجۃ الاسلام

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کی کتاب تحذیر الناس کا حوالہ دیتے ہوئے یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ مولوی قاسم نے آیت ألنبی اولی بالمؤمنین من انفسھم کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں "اولی" بمعنی "اقرب" ہے۔ تب بھی اس آیت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حاضر وناظر ہونا ثابت نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اولاً حضرت مولانا قاسم صاحبؒ نے اُقرب کا معنی حاضر وناظر بیان نہیں کیا ہے، بلکہ حضرت کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب حاصل ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں، کیوں کہ "اولیٰ" بمعنی "اقرب" ہے۔ اور اگر بمعنی "احب" یا "اولی بالتصرف" ہو تب بھی یہی بات لازم آئے گی؛ کیوں کہ احبیت اور اولویّت بالتصرف کے لیے اقربیت تو وجہ ہوسکتی ہے پر بالعکس نہیں ہوسکتا۔"

(تحذیر الناس، ص: ۳۲)

حضرت مولانا قاسم صاحبؒ کی عبارت سے استدلال پکڑنے والے بریلوی حضرات کو آدھی عبارت نقل کر کے علمی خیانت کرنے کی توفیق تو ہوتی ہے لیکن اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ مکمل عبارت سمجھ کر پڑھ لیں اور حضرت مولانا قاسم صاحبؒ کے منشاء کو سمجھیں کہ حضرت کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔

ثانیاً اس آیت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حاضر وناظر ہونا اس لیے ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ بریلوی حضرات کا یہ دعوی نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف مؤمنین کے قریب ہیں اور مؤمنین کے اعمال وافعال کو دیکھ رہے ہیں۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے کا مطلب بریلوی حضرات کے نزدیک یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر امتی کے اعمال وافعال کو

دیکھ رہے ہیں چاہے وہ کافر ہو مشرک ہو فاسق ہو یا پھر مؤمن ہو۔ جبکہ آیت کریمہ ہے ألنبی أولی بالمؤمنین۔ یعنی آیت تو مؤمنین کے ساتھ خاص ہے۔ پھر اس خاص آیت/ دلیل سے کوئی عام دعوی کیسے ثابت ہوسکتا ہے؟

اب اس آیت کریمہ کی تفاسیر ملاحظہ فرمائیں۔ قرآن کریم کی سب سے معتبر تفسیر جس کے بارے میں علماء کرام کا قول ہے کہ تفسیر القرآن بالحدیث یعنی قرآن کریم کی تفسیر حدیث شریف سے اگر کوئی کرتا ہے تو وہ حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیرؒ ہے۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں ہے:

قد علم الله تعالی شفقة رسولهﷺ علی أمته ونصحه لهم فجعله أولی بهم من أنفسهم وحکمه فیهم مقدما علی اختیارهم لأنفسهم کما قال تعالی :(فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی أنفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما) وفی الصحیح : "والذی نفسی بیده لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیه من نفسه وماله وولده والناس أجمعین"۔ وفی الصحیح أیضا أن عمر رضی الله عنه قال: یا رسول الله! والله لأنت أحب إلیّ من کل شیء إلا من نفسی۔ فقال : لا یا عمر !حتی أکون أحب إلیك من نفسك۔ فقال : یا رسول الله لأنت أحب إلی من کل شیء حتی من نفسی۔ فقال : ألآن یا عمر "۔ ولهذا قال تعالی فی هذه الآیة : (ألنبی أولی بالمؤمنین من أنفسهم)۔ وقال البخاری عندها : حدثنا إبراهیم بن المنذ ر

حدثنا محمد بن فليح حدثنا أبي عن هلال بن على عن عبد الرحمن بن أبي عمرة عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : " ما من مؤمن إلا وأنا أولى الناس به فى الدنيا والآخرة . إقرؤوا إن شئتم : (ألنبى أولى بالمؤمنين من أنفسهم) فأيما مؤمن ترك مالا فليرثه عصبته من كانوا ۔ فإن ترك دينا أوضياعا فليأتنى فأنا مولاه "۔ تفرد به البخاري ورواه أيضا فى " الاستقراض " وابن جرير وابن أبي حاتم من طرق عن فليح به مثله ۔ ورواه الإمام أحمد من حديث أبي حصين عن أبي صالح عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بنحوه ۔ وقال الإمام أحمد: حدثنا عبد الرزاق عن معمر عن الزهرى فى قوله تعالى: (ألنبى أولى بالمؤمنين من أنفسهم) عن أبي سلمة عن جابر بن عبد الله عن النبى صلى الله عليه وسلم كان يقول: " أنا أولى بكل مؤمن من نفسه فأيما رجل مات وترك دينا فإلىّ . ومن ترك مالا فلورثته "۔ ورواه أبو داؤد عن أحمد بن حنبل به نحوه۔

تفسیر طبری میں ہے:

ألقول فى تأويل قوله تعالى : أَلنَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ .... يقول تعالى ذكره: (أَلنَّبِيُّ) محمد (أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِينَ) يقول: أحق بالمؤمنين به (مِنْ أَنْفُسِهِمْ)، أن يحكم فيهم بما يشاء من حكم، فيجوز ذلك عليهم كما حدثنى يونس قال: أخبرنا ابن وهب، قال:

قال ابن زید: (أَلنَّبِیُّ أَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِینَ مِنْ أَنفُسِهِمْ) کما أنت أولی بعبدك ما قضی فیهم من أمر جاز۔ کما کلما قضیت علی عبدك جاز۔

تفسیر بغوی میں ہے:

قوله-عز وجل: (ألنبی أولی بالمؤمنین من أنفسهم) یعنی من بعضهم ببعض فی نفوذ حکمه علیهم ووجوب طاعته علیهم. وقال ابن عباس وعطاء: یعنی إذا دعاهم النبی صلی الله علیه وسلم ودعتهم أنفسهم إلی شیء کانت طاعة النبی صلی الله علیه وسلم أولی بهم من طاعتهم أنفسهم۔ وقال ابن زید: ألنبی أولی بالمؤمنین من أنفسهم فیما قضی فیهم کما أنت أولی بعبدك فیما قضیت علیه۔

تفسیر قرطبی میں تو علامہ محمد بن احمد الانصاریؒ نے صاف صاف لکھ دیا کہ:

فیه تسع مسائل: ألأولیٰ: قوله تعالی: ألنبی أولی بالمؤمنین من أنفسهم۔ هذه الآیة أزال الله تعالی بها أحکاما کانت فی صدر الإسلام۔ منها أنه صلی الله علیه وسلم کان لا یصلی علی میت علیه دین، فلما فتح الله علیه الفتوح قال: أنا أولی بالمؤمنین من أنفسهم، فمن توفی وعلیه دین فعلیّ قضاؤه، ومن ترك مالا فلورثته۔ أخرجه الصحیحان۔ وفیهما أیضا فأیکم ترك دینا أو ضیاعا فأنا مولاه۔...... فهذا تفسیر الولایة المذکورة فی هذه الآیة بتفسیر النبی صلی الله علیه وسلم وتنبیهه۔ ولا عطر بعد عروس ...... قال ابن عطیة :

وقال بعض العلماء العارفين : هو أولى بهم من أنفسهم لأن أنفسهم تدعوهم إلى الهلاك ، وهو يدعوهم إلى النجاة۔ قال ابن عطية : ويؤيد هذا قوله عليه الصلاة والسلام : أنا آخذ بحجزكم عن النار وأنتم تقتحمون فيها تقحم الفراش۔

کیا انداز اپنایا ہے علامہ نے، کہ آیت مذکورہ میں ولایت کی یہ تفسیر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تفسیر کے ذریعے کی گئی ہے۔اور عروس کے بعد کسی عطر کی ضرورت نہیں۔ جب مذکورہ آیت کے متعلق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا صاف ارشاد موجود ہے تو پھر عقلی گھوڑا دوڑانے کی کوئی ضرورت نہیں۔تمام محدثین ومفسرین کے منقولات وتوضیحات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں ولایت سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا مؤمنین پر حق اور آپؐ کی مؤمنین سے قرابت ہے نہ کہ قربت بمعنی نزدیکی۔

مذکورہ بالا توضیح وتشریح کے بعد بھی اگر بریلوی حضرات آیتِ کریمہ ألنبی أولٰی بالمؤمنین کا مطلب یہی سمجھیں گے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جسمانی یا روحانی طور پر مؤمنین کے قریب موجود ہیں تو ان کے علم وعقل پر ماتم کرنے کے سوا کچھ نہیں کیا جاسکتا۔

مذکورہ بالا دلائل کے علاوہ بریلوی حضرات کے پاس عقیدۂ حاضر وناظر کو ثابت کرنے کے لیے اور کوئی قابل اعتناء دلیل نہیں ہے۔ ذخیرۂ احادیث میں سے جن چند احادیث کو بریلوی حضرات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے حاضر وناظر ہونے کی دلیل میں پیش کرتے ہیں وہ یا تو اخبار آحاد ہیں یا ان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا علم ومشاہدہ جزئی طور پر ثابت ہوتا ہے۔جب کہ اصولی طور پر یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ اخبار احاد سے اسلام وکفر کا عقیدہ

ثابت نہیں ہوسکتا اور نہ ہی خاص دلیل سے عام دعوی ثابت ہوسکتا ہے۔ بریلوی حضرات کی تنگ دامانی دیکھیے کہ انھیں اپنے مسلک کے بنیادی عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے عقلی دلیل کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ تشہد میں ألسلام علیك أیها النبی کہہ کر حضور کو مخاطب کر کے سلام پیش کیا جاتا ہے اور قیامت تک پیش کیا جاتا رہے گا۔ چناں چہ تشہد میں حضور کو مخاطب کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ آپؐ حاضر و ناظر ہیں۔

اس عقلی گھڑ دوڑائی کا جواب یہ ہے کہ بریلوی حضرات سے یہ کس نے کہہ دیا کہ کسی کو حرف ندا یا ضمیر خطاب کے ساتھ مخاطب کرنے کا مطلب ہے کہ وہ حاضر و ناظر ہے۔ غائب کو بھی مخاطب بنا کر حرف ندا، ضمیر خطاب یا صیغۂ خطاب کے ذریعہ مخاطب کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ ہمارا صرف دعوی نہیں بلکہ ہم قرآن و حدیث سے اس دعوے کو ثابت بھی کریں گے اِن شاء اللہ۔ سورہ نمل میں قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیں:

أَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَأْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ اس آیتِ کریمہ میں حضرت سلیمانؑ ملکۂ سبا اور قوم سبا کو مخاطب کر کے حاضر کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بنا تکبر کیے مطیع بن کر میرے پاس آجاؤ۔ جبکہ ملکہ بلقیس اور ان کی قوم حضرت سلیمانؑ کے پاس حاضر نہیں تھی۔ یہ آیتِ کریمہ دلیل ہے اس بات کی کہ غائب کو بھی صیغۂ حاضر کے ساتھ مخاطب کیا جاسکتا ہے۔

جب اللہ کے نبی ﷺ نے شاہانِ عالم کے پاس دعوتی خطوط بھیجے تو آپؐ نے انھیں ضمیر خطاب کے ساتھ مخاطب فرمایا، حالانکہ جن دس بادشاہوں کے پاس آپؐ نے خطوط بھیجے تھے وہ بادشاہ اور ان کے ممالک رسول پاک ﷺ سے کوسوں دور تھے۔

آپؐ نے اپنے خطوط میں ان بادشاہوں کو جن الفاظ کے ساتھ مخاطب فرمایا ہے وہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

وإني أدعوكَ إلى الله وحده لا شريك له۔

فاني أدعوكَ بدعاية الاسلام، أسلمْ، تسلم۔

أدعوكَ بداعية الله فاني أنا رسول الله إلى الناس كافة، أسلمْ تسلم، فانْ أبيتَ فانّ عليكَ إثم المجوس۔

یہ وہ مشترک الفاظ ہیں جنھیں سرکار مدینہؐ نے تقریباً اپنے تمام خطوط میں دہرایا ہے، ان جملوں میں غائبین کے لیے آپؐ کا صیغۂ خطاب اور ضمیر خطاب استعمال فرمانا دلیل ہے اس بات کی کہ غائبین کے لیے بھی خطاب کی ضمیر استعمال کی جاسکتی ہے اور ایسا کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ غائب، حاضر و ناظر ہے۔

اگر ان دونوں دلیلوں پر یہ اعتراض کیا جائے کہ مراسلت و مکاتبت کے موقع پر غائب کو اس طرح مخاطب کیا جاتا ہے جب کہ تشہد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرنا مراسلت نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مراسلت ہی ہے۔ یعنی امتی تشہد میں یا تشہد کے بغیر بھی دور سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو درود و سلام پڑھتے ہیں وہ فرشتوں کے ذریعہ حضورؐ کے پاس بھیجتے ہیں اور بھیجنے کو ہی مراسلت کہا جاتا ہے۔ اور اس کی دلیل کہ امتی فرشتوں کے ذریعہ حضورؐ کے پاس اپنا درود و سلام بھیجتے ہیں، مشکوۃ شریف کی حدیث ماقبل میں گزر چکی ہے۔ اور اسی مضمون کی یہ حدیث بھی ہے جو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے:

أخبرنا سويد بن نصر بن سويد، قال: أخبرنا عبد الله عن

سفیان عن عبداللہ بن السائب عن زاذان عن ابن مسعود عن النبی ﷺ قال: إنّ لله ملائکةً سیّاحین یُبلغونی من أمتی السلامَ

(سنن نسائی، حدیث نمبر: ۹۸۱۱)

زبان و بیان کے ماہرین جانتے ہیں کہ دنیا کی ہر زبان میں اس کا رواج ہے کہ غائب کو حاضر تصور کر کے اسے صیغۂ خطاب کے ساتھ مخاطب کیا جاتا ہے۔ اور اسے اظہار مافی الضمیر کا فصیح و بلیغ انداز مانا جاتا ہے۔ لیکن تصور میں کسی کو حاضر ماننے میں اور حقیقتاً اس کے حاضر ہونے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ درج ذیل اشعار میں اس کی مثال ملاحظہ فرمائیں:

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا
تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

اور فاضل بریلوی احمد رضا خان صاحب نے بھی اسی طرح کا تصوراتی خطاب فرمایا ہے۔ ان کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

سر سوئے روضہ جھکا پھر تجھ کو کیا دل تھا ساجد نجدیا پھر تجھ کو کیا
یا عبادی کہہ کے ہم کو شاہ نے بندہ اپنا کر لیا پھر تجھ کو کیا

ان اشعار میں غائبین کو ضمیر خطاب کے ذریعہ مخاطب کرنے کا مطلب کیا بریلوی حضرات یہ بتائیں گے کہ خان صاحب کے تمام مخاطبین حاضر و ناظر تھے؟

الغرض ألسلام علیك ایها النبی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ضمیر خطاب اور حرف ندا کے ساتھ مخاطب کرنے کا مطلب کسی حدیث یا کسی صحابی کے قول میں یہ بیان

نہیں کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشہد پڑھنے والے کے پاس حاضر رہ کر اس کے سلام کو سنتے ہیں۔ نہ ہی کسی محدث، مجتہد، فقیہ یا بریلوی مکتبۂ فکر کے علما کے علاوہ کسی بھی مکتبۂ فکر کے عرب یا عجم کے علما میں سے کسی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشہد پڑھنے والے کے پاس حاضر و موجود رہتے ہیں۔ یہ بریلوی حضرات کی ذہنی اختراع ہے کہ وہ ہر جگہ اپنی منشا کے مطابق مطالب گھڑ لیتے ہیں۔

بریلویوں کے امام مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر و ناظر ثابت کرنے کی کوشش میں اقوالِ فقہا و علمائے امت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"درمختار جلد اول باب کیفیۃ الصلوۃ میں ہے: ویقصد بالفاظ التشهد الإنشاء كأنه يحيّ على الله ويسلم على نبيه و نفسه۔ التحیات کے لفظوں میں خود کہنے کی نیت کرے گویا نمازی رب کو تحیہ اور خود نبی علیہ السلام کو سلام عرض کر رہا ہے۔"

(جاء الحق، حاضر و ناظر کی بحث)

پہلی بات تو یہ ہے کہ نعیمی صاحب کی نقل کردہ یہ عبارت درمختار کی نہیں بلکہ تنویر الابصار کی عبارت ہے جس میں درمختار کی تشریح بھی شامل ہے، لیکن یہاں بھی نعیمی صاحب نے اپنی ازلی روش اختیار کرتے ہوئے کتر بیونت سے کام لیا ہے اور علامہ حصکفیؒ کی تشریحی عبارت کو حذف کر کے مذکورہ عبارت سے اپنی منشا کے مطابق مطلب اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔ عربی عبارت کا اردو ترجمہ بھی نرالا ہے۔ تنویر الابصار کی عبارت علامہ حصکفیؒ کی مکمل تشریح کے ساتھ اِس طرح ہے:

(ويقصد بألفاظ التشهد) معانيها مرادة له على وجه (الإنشاء) كأنه يحيّ على الله ويسلم على نبيه وعلى نفسه و أوليائه (لاالإخبار)عن ذلك۔ (درمختار، باب صفۃ الصلوۃ،ص:۷۰)

مذکورہ بالا عبارت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ نماز کے اندر قاری تشہد میں حضورؐ پر درود وسلام، واقعۂ معراج کی حکایت کی خبر کے طور پر نہ پڑھے؛ بلکہ قاری کا تشہد پڑھنا بطور انشا ہونا چاہیے اس طرح کہ وہ فی الوقت حضورؐ پر درود وسلام پڑھ رہا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تشہد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بطور اخبار ہو یا بطور انشا، بہر صورت اس سے حضور کا حاضر و ناظر ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام تو تمام امتی ہر وقت بطور انشا ہی پڑھتے ہیں۔ البتہ تشہد میں آپؐ کو ضمیر خطاب کے ساتھ مخاطب کر کے پڑھتے ہیں۔ لیکن تشہد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے آپ پر درود وسلام پڑھنے سے آپ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت نہیں ہوتا اِس کی دلیل مفتی احمد یار خان کی پیش کردہ درج بالا عبارت میں ہی موجود ہے۔ اس عبارت میں لفظ "أوليائه" واضح قرینہ ہے کہ تشہد میں سلام پڑھتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر و ناظر نہیں سمجھا جا سکتا۔ کیونکہ علامہ کہہ رہے ہیں کہ حضور کو سلام پیش کرے، خود کو سلام پیش کرے، اور اپنے اولیا کو سلام پیش کرے۔ "أوليائه" میں ہ ضمیر کا مرجع یا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں یا قاری خود ہے۔ تو کیا نعیمی صاحب اور ان کے متبعین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اولیا یا قاری کے اولیا کو بھی حاضر و ناظر گردانتے ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر علامہ حصکفیؒ کی ایک ہی عبارت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر و ناظر ثابت کرنا اور اسی عبارت سے آپؐ کے اولیا کو حاضر و ناظر نہ

ماننا درست کیسے ہوسکتا ہے؟ یا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کے اولیا یا قاری کے اولیا کو بھی حاضر و ناظر تسلیم کیا جائے یا پھر کسی کو بھی حاضر و ناظر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر و ناظر جاننا اور اس طرح کا عقیدہ رکھنا قرآن و حدیث کی تعلیمات اور اسلام کی روح کے خلاف ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کی خلاف ہے اور اللہ جل جلالہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے جس کو خود اللہ جل جلالہ نے ظلم عظیم سے تعبیر کیا ہے۔إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (القرآن)۔ظلم کی تعریف بھی یہی ہے کہ کسی کو اس کے مقام و مرتبے سے اوپر اٹھانا یا نیچے گرانا۔ معنى الظلم اصطلاحًا: وضع الشيء في غير موضعه المختص به؛ إمَّا بنقصان أو بزيادة، وإما بعدول عن وقته أو مكانه۔لہذا اہل حق کا یہ شیوہ بالکل نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی نبی، ولی یا پیر و بزرگ کو ان کے جائز مقام و مرتبے سے اوپر اٹھائے یا نیچے گرائے۔انبیاء کرام کی عظمت، ان سے عقیدت و محبت عین ایمان ہے۔پس جو شخص مؤمن ہو اور اہل حق میں سے ہو وہ اپنے نبی محمدؐ کی شان تو دور کی بات ہے کسی دیگر نبی کی شان میں بھی حبہ برابر تنقیص و توہین کا تصور نہیں کر سکتا۔لیکن ہم تمام امت محمدیہؐ کے لیے حق و باطل کی کسوٹی خدا کا کلام اور نبی کی احادیث ہیں۔اور قرآن و حدیث نے اللہ جل جلالہ اور اس کے رسولؐ کی شان و مقام کو صاف اور واضح انداز میں بیان کر دیا ہے۔قرآن و حدیث کی واضح تعلیمات کے ہوتے ہوئے اگر کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی شان کے تعلق سے افراط و تفریط کا شکار ہوتا ہے تو وہ یقینا راہ حق سے بھٹکا ہوا ہے۔

اللہ جل جلالہ کی ذاتِ عالی المرتبت وہ واحد ذات ہے جس کا کوئی بھی ہم سر نہیں۔نہ

فرشتے نہ رسول نہ پیر نہ ولی۔ نہ ذات میں نہ صفات میں نہ ارادے میں نہ افعال میں نہ تخلیق میں نہ نفع وضرر رسانی میں نہ عبادت میں نہ سجدے میں۔ اللہ جل جلالہ کی ذات ہر اعتبار سے واحد و یکتا ہے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ. أَللّٰهُ الصَّمَدُ. لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ. وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ كُفُواً أَحَدٌ۔۔۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔ اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشری ذات میں حاضر و ناظر وغیرہ جیسی الوہی صفات کو موجود ماننا یا تو قرآن کریم کی بیّن تعلیمات سے نابلد ہونے کی علامت ہے یا پھر عناد و ہٹ دھرمی کا نتیجہ۔ اور یہ وہ روش ہے جس پر اللہ جل جلالہ نے سخت عتاب فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَسَوْفَ يَأْتِيْهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ. اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا۔

(پس جب اُن کے پاس حق آیا تو اسے بھی جھٹلا دیا عنقریب اس کے متعلق خبریں پہنچیں گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا ہے جنھیں ہم نے زمین میں اقتدار دیا تھا جو تمھیں نہیں دیا اور ہم نے ان پر آسمان سے خوب بارشیں کیں۔) گرچہ آیت خاص ہے لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ قرآن کریم کی بہت سی آیتیں خاص ہوتی ہیں لیکن ان کا مصداق اور اطلاق عام ہوتا ہے۔ لہذا ہر مؤمن کو عموما اور اہل علم خصوصا کو ایسی روش اختیار کرنے سے بہت زیادہ بچنا چاہیے جس کی بنا پر امم سابقہ پر عذاب آیا یا امت محمدیہ پر عتاب آیا۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ



روز مرہ زندگی میں پیش آنے والے
مسائل کا شرعی حکم مفتیانِ کرام سے
معلوم کرنے کے لیے Telegram
پر مسائل کے اِس گروپ کو جوائن
کیجیے۔ @Almasailush_Shariyya